اسلامی اقدار کا نقیب

ہفت روزہ ترجمانِ اسلام لاہور

نگرانِ اعلیٰ مولانا مفتی محمود مدظلہ

نظریۂ پاکستان کی مخالف قوتیں

اداریہ

اسلامی نظامِ حکومت

آخری قسط

ضلع رحیم یار خان کے کاشتکاروں کے مسائل

مولانا غلام ربانی سے ملاقات

۷ مارچ تا ۱۳ مارچ ۸۰ء ، شمارہ ۱۰ ، قیمت ایک روپیہ پچاس پیسے

نعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

رنجِ پیہم کے لئے اُفتادِ پیہم کے لئے
اسمِ احمدؐ اسمِ اعظم ہے ہر اک غم کے لئے

ایک ہے شانِ رسالتؐ اس لئے اللہ نے
ایک آئینہ بنایا دونوں عالم کے لئے

دل کسی غم کا نہیں طالب غمِ مُرسل کے بعد
ایک ہی تصویر کافی ہے اِس البم کے لئے

اے مدینے کی سنہری شام! تیری خیر ہو
اک کرن کی بھیک میری بھی شبِ غم کے لئے

دوریٔ بطحا بنی جب تشنہ کامی کا سبب
آنکھ میں آنسو بھر آئے آبِ زمزم کے لئے

جل رہا ہے ایشیائے فکر اے ابرِ حجاز
تیز بارش چاہیئے اِس برّاعظم کے لئے

رات بھی اک جلوہ بیدلؔ آنکھ کا مہمان تھا
رات بھی پلکوں سے میں نے کام جامِ جم کے لئے

ڈاکٹر بیدل حیدری، کبیر والہ

لہ چاندنی

ہفت روزہ
ترجمان اسلام
لاہور

جلد نمبر ۲۲ | شمارہ نمبر ۱۰

جمعۃ المبارک ۱۸ ربیع الثانی ۱۴۰۰ھ

سرپرست
مولانا عبیداللہ انور

مدیر
اکرام القادری

مدیر معاون
عمیر الہاشمی

بدلِ اشتراک
سالانہ ۶۵ روپے
ششماہی ۳۳ روپے
سہ ماہی ۱۷ روپے

قیمت
ایک روپیہ پچاس پیسے

خط و کتابت: ترجمان اسلام چوک رنگ محل لاہور

[illegible] پبلشر مولانا عبیداللہ انور [illegible] شیرانوالہ گیٹ لاہور ۸

نظریہ پاکستان کی مخالف قوتیں

بانئ "نوائے وقت" حمید نظامی مرحوم کی یاد میں منعقدہ ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے مقرّرین نے جہاں حمید نظامی مرحوم کی ملکی اور قومی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا وہاں یہ بھی کہا کہ "نظریہ پاکستان کی مخالف قوتوں کے عزائم ناکام بنا دیئے جائیں گے۔

یہ عزم اور ارادہ اپنی جگہ بہت ہی مبارک ہے، مگر دیکھنا یہ ہے کہ وہ کون سی قوتیں ہیں جو اس دور میں نظریۂ پاکستان کی مخالف ہیں؛ اور ان قوتوں کو ختم کرنے کی کونسی ایسی تجاویز ہیں جنہیں بروئے کار لاکر کامیابی سے ہمکنار ہوا جا سکتا ہے۔ کیا ہم نے سوچا ہے کہ اس سلسلے میں اب تک ہماری کارکردگی کیا ہے، اور آئندہ ہم کس طرح سے نظریۂ پاکستان کی مخالف قوتوں سے نبرد آزما ہو سکتے ہیں۔ ہمارا کام صرف اب یہ رہ گیا ہے کہ کسی بڑے آدمی کے نام پر سال بسال ایک آدھ تقریب منعقد کرلیں اور اس میں نظریۂ پاکستان کی دہائی دے دیں۔ ان تقریبات میں الفاظ کی جوت جگانے اور تقریری مقابلہ کے سوا ہم کچھ نہیں کر پاتے۔ ہمارے رہنما اور دانشور گرم دم گفتگو کے اصول پر پوری سختی سے کارفرما ہوتے جا رہے ہیں؛ اور جب جستجو کا مرحلہ آتا ہے تو سرد مہری اور آرام طلبی ہی کو حرزِ جان سمجھا جاتا ہے۔ حسنِ کلام سے ہی اگر بات بنتی تو قوموں کی تاریخ میں فقید المثال عملی قربانیوں اور جانسپاریوں کی داستانیں رقم نہ ہوتیں؛ مگر افسوس کہ ہمارے یہاں ہر شعبۂ حیات میں حسنِ کلام اور گرم دم گفتگو ہی کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔

یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ حکومتی اور سیاسی سطح پر منتظم طریقہ سے ابھی تک لوگوں کو نظریۂ پاکستان کی حقیقت سے روشناس ہی نہیں کرایا گیا۔ بتیس ۳۲ سال کا طویل عرصہ پاکستان کو معرضِ وجود میں آئے ہوئے ہو گیا ہے، لیکن جب نظریۂ پاکستان کی بات ہوتی ہے تو پاکستان بننے سے پہلے کے اختلافات کا ناقوس بجانا شروع

کر دیا جاتا ہے اور ان اکابر کو نشانۂ دشنام بنایا جاتا ہے جو پاکستان بن جانے کے بعد پاکستان کے سب سے بڑے خیر خواہ اور دُعا گو تھے اور جنہوں نے بارہا اپنے مجلسوں اور بیانات میں پاکستان کو تعمیر مسجد کے اختلاف سے تشبیہہ دی۔

جبکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم پُرانی بحثوں کو چھوڑ کر نظریۂ پاکستان کے عملی نفاذ کی کوششوں میں اپنی صلاحیتوں اور توانائیوں کو صرف کریں۔ اس میں قطعاً دو رائیں نہیں ہو سکتی کہ نظریۂ پاکستان سے مُراد مملکت خداداد پاکستان میں اسلام کے عادلانہ نظام کا نفاذ ہے ؛ اور اس راہ کی سب سے بڑی رکاوٹیں علاقیت پرستی ، لسانی جھگڑے اور فرقہ وارانہ اختلافات کو ہوا دینا ہے ۔ اس میں شک نہیں کہ علاقائی اور لسانی اختلافات کی بنیاد پر قوم کو تقسیم کرنے والے ملک اور قوم کے خیر خواہ نہیں ! لیکن کیا فرقہ واریت کی بنیاد پر قوم کو لڑانے والے ملک و ملّت کے خیر خواہ ہیں۔ ہرگز نہیں ! یہ امر کسی صاحبِ فہم سے پوشیدہ نہیں رہنا چاہیئے کہ فرقوں کی بنیاد پر قوم مسلم کو لڑانے والے ملک کے سب سے بڑے دشمن ہیں ۔ یہ لوگ عامۃ الناس میں نام تو اسلام کا لیتے ہیں، اور بات تو عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلّم کی کرتے ہیں مگر فروعی اختلافات کے سہارے ملّت کو ٹکڑوں میں تقسیم کرنے کی سازش میں شعوری اور غیر شعوری طور پر مبتلا ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ ملک و ملّت کے یہی وہ چُھپے دشمن ہیں جو اپنے معمولی مفادات کی وجہ سے قومی مفادات کو داؤ پر لگائے ہوئے ہیں ۔ انہی لوگوں نے ملحدین اور منحرفین کو یہ موقع فراہم کیا ہے کہ وہ عوام کو یہ کہہ کر گمراہ کر سکیں کہ کونسا اسلام اس ملک میں نافذ کیا جائے اور کس فرقہ کی بالادستی اس ملک میں قائم ہو۔

ان ملّاؤں نے اپنے تن و توش کے لئے اسلام کو داؤ پر لگا دیا ہے ، اور اب تو اس گروہ نے مسجدوں تک کے تقدس کو پامال کرنا شروع کر دیا ہے ۔ مسجدیں جو امن و عافیت اور اتحاد و اتفاق کا گہوارہ ہیں، انہیں اپنی ریشہ دوانیوں

کی آماجگاہ بنانے کی سعی مذموم جاری ہے

مستزاد یہ کہ یہی لوگ اسلام اور پاکستان کے سچے خیر خواہ ہونے کے مدعی بھی ہیں ، اور حکومت بھی یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے برداشت کرتی رہتی ہے

خدانخواستہ اگر یہ فرقہ باز ملّا اپنی فرقہ وارانہ قسم کے فروغ میں کامیاب ہو گئے تو پھر ملک اور قوم کا جو کچھ بنے گا وہ کسی صاحبِ شعور سے پوشیدہ نہیں۔

ستم بالائے ستم یہ کہ جدید قسم کے جاہل محض گلوکاری کی مشق کے بل پر ممبر و محراب پر مسلط ہیں اور ایسے مسائل کے حوالے سے مسلمانوں کو لڑا رہے ہیں جنکا قرونِ اولیٰ میں وجود تک نہیں تھا اور جو خود ان کی اپنی اختراع و ایجاد ہیں۔

انہیں کچھ پتہ نہیں کہ خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلّم نے انسانی زندگی کے مختلف شعبوں اور مرحلوں پر کیا ہدایات دی ہیں، اور کس حکمت عملی سے راہنمائی فرمائی ہے۔

ہم آخر میں موجودہ حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اس فتنہ کا سدباب کرے اور ان لوگوں کو کیفر کردار تک پہنچائے جو مسلمانوں کو فرقوں اور فروعی مسائل کی بنیاد پر لڑا کر اپنا اُلّو سیدھا کر رہے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں نظریہ پاکستان کے دوست نما دشمن کہا جا سکتا ہے۔

ملاقات:۔ راؤ منوّر احمد خان

• ضلع رحیم یار خان کے کاشتکاروں کے مسائل حل کر کے انکی بڑھتی ہوئی بے چینی کو ختم کیا جائے

• علاقہ میں بڑھتے ہوئے جرائم کی روک تھام کے لئے حکومت مؤثر اقدامات کرے۔

ممتاز سیاسی و سماجی شخصیت مولانا غلام ربّانی سے ایک ملاقات

نہایت وضعدار، خوددار، خود اعتماد، با اخلاق، ملنسار، جرأت اور بے باکی کے ترجمان غریبوں کے ساتھی، مزدوروں کے ہمدرد، شہر میں چلنے والی ہر تحریک کا ہیرو ظالموں و جابروں سے پنجہ آزمائی کرنے والی شخصیت اور معاشرہ کے زندہ کردار کا نام ہے۔ مولانا غلام ربّانی۔

آپ بہبودی علاقہ چھچھ ضلع اٹک میں ۱۹۰۲ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم صوبہ سرحد میں حاصل کی اور کچھ عرصہ دارالعلوم دیوبند، رام پور، سہارنپور ایسی معروف و مشہور دینی درسگاہوں میں اپنی علمی پیاس بجھاتے رہے۔ سند و فراغت دارالعلوم ڈھابیل سے حاصل کی۔ فراغت کے بعد شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیّر احمد عثمانیؒ اور اسیر مالٹا حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے حکم پر کافی عرصہ تک مشہور مختلف دینی درسگاہوں میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا اور پھر مفکر اسلام حضرت بنوریؒ کے حکم پر رحیم یار خان تشریف لائے اور کوئی ۲۶ سال سے اس علاقہ کے عوام کی تبلیغی سیاسی و سماجی میدان میں خدمت کر رہے ہیں۔

موصوف عمر کی تقریباً اٹھتر ۷۸ منزلیں طے کر چکے ہیں لیکن جوش اور جذبہ کی چنگاری جوانی کی طرح ہی سلگ رہی ہے۔ ربّانی صاحب جس بات کو حق سمجھتے ہیں اس کا برملا اظہار کرتے ہیں۔ مصلحت نام کی کوئی چیز ان کے نزدیک نہیں آتی۔ یہی وجہ ہے کہ پورے ضلع سے ہر طبقہ کے عوام ان کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ آپ ایک عرصہ کالعدم جمعیۃ علماء اسلام اور قومی اتحاد کے ضلعی صدر اور جمعیۃ پنجاب کے نائب صدر رہے ہیں۔ جماعت کے لئے ان کی خدمات کا اعتراف ضلعی طور پر ہی نہیں صوبائی سطح پر بھی کیا جاتا ہے۔

گذشتہ دنوں راقم کا رحیم یار خاں کے پروگرام پر جانا ہوا تو مقامی سماجی راہنما قاری حماد اللہ صاحب شفیق سے مولانا کا انٹرویو ضلعی مسائل پر لینے کا تذکرہ کیا۔ تھوڑی دیر بعد ہی اس نشست کا آغاز ہوا تو ربانی صاحب نے میرے پہلے سوال کے جواب میں فرمایا کہ:

رحیم یار خاں کا قابلِ کاشت رقبہ تقریباً پندرہ لاکھ ایکڑ سے زاید ہے اور آبادی کے لگ بھگ ہے۔ زرعی پیداوار کے لحاظ سے پنجاب بھر میں یہ اوّل درجہ کا ضلع ہے۔ یہاں کپاس۔ گندم۔ گنا وافر مقدار میں پیدا ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی فصلیں ہو سکتی ہیں؛ اور اگر حکومت کاشتکاروں سے تعاون کرے تو اس کی پیداوار کو دوگنا کیا جا سکتا ہے بلکہ سہ گنا تک بھی بڑھایا جا سکتا ہے۔ اس طرح غلّہ کے لحاظ سے نہ صرف علاقہ خود کفیل ہوگا؛ بلکہ پاکستان میں غلہ کی کمی کو دور کرنے میں اہم کردار ادا کر سکتا ہے اور کپاس۔ گنّا چاول جیسی اجناس سے کافی زرِ مبادلہ کمایا جا سکتا ہے اور اس کے ساتھ ہی غریب کاشتکار بھی خوشحال ہو سکتے ہیں۔

راؤ صاحب! اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں کہ زراعت کے لئے اہم مسئلہ پانی کا ہے؛ اور اس ضلع کو جو نہری پانی ملا ہے وہ صرف ایک تہائی رقبہ کو سیراب کر سکتا ہے، جس کی تصدیق نہر محکمہ کے حکّام بھی کر سکتے ہیں۔ اس ضلع کو نہر پنجند سیراب کرتی ہے جسکا منظور شدہ پانی آٹھ ہزار کیوسیکس ہے، لیکن دریا میں پانی کی کمی کے سبب وارہ بندی اور کمی پانی بھی ہوتی رہتی ہے تو اس طرح یہ پچیس فیصد یا تیس فیصد رقبہ جات پر فصل کاشت کی جا سکتی ہے۔ اسوقت صورتحال یہ ہے کہ جہاں زیر زمین میٹھا پانی ہے لوگوں نے اکثر ڈیزل انجن لگا رکھے ہیں، اس طرح اس کمی کو دُور کیا جاتا ہے، مگر یہ طریقہ زمیندار اور کاشتکار کے لئے اتنا مہنگا ہے کہ جتنی پیداوار بڑھتی ہے اتنا ہی خرچہ ہو جاتا ہے۔ اس طرح بچت صفر ہوتی ہے۔

ربانی صاحب مزید تفصیل میں گئے اور فرمانے لگے:

عزیزم! اس ضلع کے نصف علاقہ میں غیر دوامی نہریں ہیں۔ وہاں ربیع کی فصل صرف ٹیوب ویلوں کے سہارے ہوتی ہے۔ بہت ہی محدود علاقے میں بجلی گئی ہے اور بہت زیادہ علاقہ بجلی سے محروم ہے، اور اس طرح کاشت بہت مہنگی پڑ رہی ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ غیر دوامی نہریں علاقہ میں جہاں زیر زمین پانی میٹھا ہے فوری طور پر بجلی پہنچائی جائے تاکہ لوگوں سے بے پناہ خرچ کا بوجھ ہلکا ہو اور فصل گندم کی کاشت میں بھی زیادہ ہو۔ اس طرح یہاں گندم اسقدر پیدا ہوگی کہ پاکستان بیرون ملک بھی گندم بھیجنے کے قابل ہو جائیگا۔

ایک سوال کے جواب میں کہا:

بھائی! ہم یہ سنتے ہیں کہ پاکستان میں بجلی کی وافر مقدار موجود ہے اور ملک کے تمام آبادی اور علاقوں کو بجلی مل سکتی ہے، بلکہ ہم تو یہاں تک سن رہے ہیں کہ عنقریب بیرون ملک بھی پاکستان بجلی دینے کے قابل ہو جائے گا، مگر اس ضلع کے عوام اس نعمت سے محروم ہیں۔ یہ ضروری ہے کہ دیہاتی علاقہ کو بھی بجلی فراہم کی جائے۔ اس طرح عوام اس سہولت سے فیض یاب ہوں گے اور حکومت کی آمدنی بھی مزید بڑھ جائے گی۔ اس کے ساتھ ہی میں یہ بھی گذارش کروں گا کہ دیہات میں چھوٹی چھوٹی مشینیں صنعتیں اور کارخانے لگائے جائیں۔ اس طرح دیہاتی عوام اس سہولت سے نفع اندوز ہوں گے، کاروبار بھی بڑھے گا اور لوگوں کو زیادہ سے زیادہ مواقع روزگار فراہم ہوں گے اور آئے دن بیروزگاری کا مسئلہ بھی حل ہو جائیگا۔

اسی طرح یہ ضلع دور دراز علاقوں میں پھیلا ہوا ہے۔ اس ضلع کے بڑے ذرائع آمد و رفت، ریلوے لائن اور شاہراہ پاکستان ہیں اور اجناس کو فروخت کرنے کی منڈیاں کارخانے بھی ان ہی کے قریب ہیں، طبی سہولتیں بھی ان ہی سے ملحق ہیں گویا اس ضلع کی چار دن تحصیلوں یا ضلع کے صدر مقام تک نجی و سرکاری کام کے لئے بہر حال آنا پڑتا ہے مگر علاقہ کچھ کے عوام کو آمد و رفت کی سخت تکلیف ہے۔ موجودہ سڑکیں ناقص اور ناکافی ہیں؛ اس لئے یہ ضروری ہے کہ اس ضلع کے لئے مزید سڑکیں تجویز کی جائیں اور موجودہ جو کچی سڑکیں ہیں ان کو فوری طور پر پختہ کیا جائے۔

سڑکوں کی تفصیل یوں ہے کہ جن پور سے تھل حمزہ تک ظاہر پیر سے براستہ حسن آباد رکن پور تک فتح پور پنجابیاں سے راجن پور ڈیراں تک سنجر پور سے داؤلا تک زندہ سوائے خان سے چک ۴۵ تک کچی سڑکوں کو فی الفور پختہ کیا جائے۔

ربانی صاحب نے مزید فرمایا:

اس ضلع میں بے شک گنے کی دو ملیں ہیں، لیکن زمینداروں نے صرف پانچ فیصد گنا کاشت کیا جسکا بھگتان بعد مشکل ہو گیا اور کاشتکاروں کو بے حد مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس ضمن میں ایک گذارش یہ ہے کہ آئندہ گنے کی تمام تر ذمہ داری ملیں لیں،

(ب) گنے کو زونل سنٹروں سے اٹھائیں،

(ج) زونل سنٹروں پر کنڈے لگائے جائیں، اور

(د) موقع پر فوری ادائیگی کی جاوے۔

تیسرے یہ ملیں گورنمنٹ خود لگائے اور ان کے حصص بڑے سرمایہ داروں کی بجائے دوسرے اور تیسرے درجے کے لوگوں کو خریدنے کا موقع دے جس میں مزدور اور کسان کا زیادہ سے زیادہ کوٹہ رکھا جائے اس طرح عوام اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں گے اور عموماً جو شکوہ کیا جاتا ہے کہ بعض لوگ سرمایہ کو دبا رکھتے ہیں۔ اس طرح خزانہ اور بنک کو بطور خاص خسارہ رہتا ہے یہ صورت بھی ختم ہو جائے گی۔ دوسری طرف لوگوں کا جو یہ رجحان ہے کہ معمولی معمولی کاروبار کی طرف توجہ کرتے ہیں اور پھر ناتجربہ کاری کی بنا پر نقصان بھی اٹھاتے ہیں۔ اس چیز کا تدارک بھی ہو جائے گا۔

سیم و تھور کا مسئلہ

اس کے ساتھ ہی میں یہ بھی عرض کروں گا کہ اسوقت تحصیل خانپور، تحصیل لیاقت پور میں سیم و تھور کا مسئلہ عوام کے لئے پریشانی کا باعث بنا ہوا ہے بڑی تیزی کے ساتھ یہ زرخیز زمین تباہ و برباد ہو رہی ہے۔ اگر اس کی طرف فوری اور موثر کارروائی عمل میں نہ لائی گئی تو یہ پورے ضلع کو اپنی لپیٹ میں لے کر عوام کے لئے سخت تکلیف کا مسئلہ بن جائے گی۔ اس لئے میں حکومت سے گذارش کروں گا کہ اس کے تدارک کے لئے فوری توجہ دے۔

جرائم میں اضافہ

ایک سوال کے جواب میں ربانی صاحب نے کہا کہ ضلع میں جرائم بڑھ رہے ہیں۔ دن دھاڑے لوگوں کو لوٹ لیا جاتا ہے۔ انتظامیہ بھی علاقہ کے وڈیروں کے سامنے بالکل بے بس نظر آتی ہے۔

دلال اور ٹاؤٹ قسم کے لوگ عوام کی مجبوریوں سے خوب فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ ان کو کوئی پوچھنے والا نہیں۔ مارشل لا حکام کو چاہیئے کہ وہ دیہاتی عوام کو پولیس کے ٹاؤٹوں، رسہ گیروں اور رشوت خوروں سے عوام کو نجات دلائے

مطالبات:

میں نے اس ضلع کے عوام کی خوشحالی اور ترقی کے لئے اور تکالیف کے ازالہ کے

باقی صفحہ ۳ پر

حافظ محمد لطیف
اسلام آباد

اسلامی نظام حکومت

بالغ رائے دہی اور حکمرانوں کا چناؤ

امورِ سلطنت چلانے کے سلسلے میں علمائے دین نے اس بات پر بھی زور دیا ہے کہ ہر شعبۂ حکومت میں اس شخص کو مقدم رکھا جائے گا جو اپنے عہدے کے فرائضِ منصبی انجام دینے کی صلاحیت و استعداد رکھتا ہو، مثلاً عام حکمرانی میں اس آدمی کو ترجیح دی جائے جو قوم کی سیاست و شریعت کے احکام سے زیادہ واقف ہو۔ جس میں ہنر شناسی ہو تاکہ وہ ہر شعبہ میں ماہرینِ فن کا تقرر کر سکے۔ اسی طرح امورِ جنگ و دفاع ایسے شخص کو تفویض کئے جائیں جو عسکری امور کا ماہر ہو۔ دشمنوں کی جنگی چالوں کو سمجھنے اور ان کے توڑ کی صلاحیت رکھتا ہو۔ عدلیہ میں ایسے افراد مقرر کئے جانے چاہئیں جو احکام شریعت فقہ اور استنباط مسائل کے زیادہ اہل ہوں۔ الغرض ہر حیطۂ کار میں باصلاحیت افراد کے تقرر میں محض تقویٰ کو معیار قرار نہیں دیا جا سکتا بلکہ تقویٰ کے ساتھ ہر متعلقہ شعبہ یا فن کا جاننا بھی ضروری ہوگا۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں محض تقویٰ اور نیکی کو امورِ مملکت چلانے کے لئے لازمی شرائط قرار نہیں دیا جا سکتا بلکہ ان کے ساتھ حالاتِ زمانہ، دنیوی امور، علمِ شریعت اور دیگر امور کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہوگا۔ اور ایسے اختیار کی تفویض کے لئے امت کی اکثریت کا تعین مشاورت سے ہو سکتا ہے مشاورت کے لئے علمائے دین نے مندرجہ ذیل اہم عناصر کا تعین کیا ہے۔

۱۔ امام شورائی حکومت کا منتخب رہنما ہونا چاہیئے۔

۲۔ امت خدائے واحد کو ماننے والوں اور اس کے فطری قوانین پر گامزن ہونے والے انسانوں کا عالمگیر گروہ اور شیرازہ بند شورائی نظام۔

۳۔ مجلس اہلِ حل و عقد حکومت کے مدبروں اور مشیروں کا مرکزی ادارہ جس کے ارکان اپنے اعلیٰ کردار اور بلند خدمات کی وجہ سے پوری طرح امت کے اعتماد کا مرکز ہوں۔

۴۔ **ارکانِ شوریٰ** اسلامی ریاست عامہ کے وہ تمام شہری جو اسلام کے فطری قوانین کے پابند ہوں بشرطیکہ اوسط علم و عقل سے بہرہ مند ہوں۔ امت کے وہ تمام افراد جو شوریٰ میں شرکت کر سکیں جو اجتماعی نظم کے بہی خواہ ہوں۔ ذاتی غرض اور شخصی نفع اندوزی کے تصور سے خالی ہوں یعنی امین ہوں اور اس درجہ سلامتی فکر کے مالک ہوں کہ صحیح رائے پیش کر سکیں ــــ اشتراکیت کا طریقہ حالات کے مطابق بدل سکتا ہے۔

۵۔ **رائے دھندگان** ہر وہ انسان جو اسلام کے معاشرہ اخوت کا رکن ہو۔ عاقل بالغ اور پابندِ قانون ہو، کسی معاملے پر رائے دینے کے لئے جتنا علم اور سوجھ بوجھ ضروری ہے اس سے محروم نہ ہو۔

استصوابِ رائے عامہ کی صورت میں حق رائے دہی کی دو شرطیں ہیں۔ اسلام اور اسلامی شعور اس کے علاوہ نہ کسی علمی ڈگری کی ضرورت ہے نہ ثروت مندی کی نہ کسی خاص قیمت کی جائیداد کے مالک ہونے کی نہ رنگ و نسل کی نہ قوم و وطن کی۔

اس صورت میں عورتوں، مردوں، بوڑھوں بچوں، شہریوں دیہاتیوں و مسافر و مقیم سب حق رائے دہی کے مالک ہیں۔[۱]

اگر جمہوریت نہیں

تو پھر کونسا نظام؟

بالغ رائے دہی کی بنیاد پر اکثریتی رائے کے مطابق چلنے والے نظام حکومت (جمہوریت) کو اگر فی الحال مسترد بھی کر دیا جائے تو پھر سوال پیدا ہوگا کہ اس کی جگہ پر کونسا نظام نافذ کیا جائے۔ اسوقت وحی کا سلسلہ تو ختم نبوت کی وجہ سے منقطع ہے ورنہ وحی کے ذریعے ہی حتمی طور پر طے کر لیا جایا کرتا کہ فلاں حضرات کو اللہ تعالیٰ نے خلیفہ نامزد فرمایا ہے یا فلاں فلاں قائد کی رہنمائی میں ملت اسلامیہ کی فلاح ہو سکے گی، لہذا اس کو زمام حکومت تفویض کر دو۔ ایسے قطعی ذریعے کے بعد دنیا میں حصول اقتدار کے جو طریقے ہیں وہ بادشاہت (جو کہ موروثی ہوتی ہے اور وہ بھی رفتہ رفتہ ختم ہو رہی ہے قطع نظر اس کے کہ اس نظام کے مفاسد ویسے بھی اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہی) بذریعہ طاقت یا انقلاب اقتدار پر قبضہ کرنا ہے یا اشتراکی نظام ہے جس میں ایک ہی برسر اقتدار گروہ کا طاقتور شخص یا گروہ برسر اقتدار آ سکتا ہے۔ یا موجودہ (مغربی) جمہوری نظام ہے۔ اب کیا کوئی دانا و بینا

[۱] ملاحظہ ہو اسلام کا نظام حکومت از حامد الغازی الانصاری ص ۶

شخص یہ بتا سکتا ہے کہ اس وقت دنیا میں کونسی حکومت عوام و ملک کی فلاح سکون اور تسلسل کے ساتھ انجام دے رہی ہے۔ مغربی جمہوری حکومتیں یا غیر ترقی یافتہ مسلمان ملکوں کی حکومتیں فلاحی معاشرے کہاں قائم ہیں، کہاں پر حکمرانوں کی تبدیلیاں پُرامن طور پر ہوتی ہیں۔ کہاں پر خون آدم کی ارزانی ہے۔ انسانی حقوق پامال ہوتے ہیں۔ اگر تعصب کی عینک اتار کر معروضی اور منصفانہ طور پر دیکھا جائے تو لامحالہ طور پر نتیجہ یہ سامنے آئے گا کہ انہیں ممالک میں پُرامن تبدیلیاں ہوتی ہیں جہاں پر بالغ رائے دہی کے ذریعے حکمرانوں کا چناؤ ہوتا ہے۔

جو لوگ بالغ رائے دہی کی بنیاد پر تبدیلی اقتدار کی مخالفت کر رہے ہیں شاید ان کی منشاء یہ ہے کہ امت مسلمہ میں پُرامن تبدیلی اقتدار کا سلسلہ جاری نہ ہو اور نہ ہی امت مسلمہ کو سکون میسر آ سکے۔ چونکہ اول تو اس زمانہ میں ایسی کوئی ہستی نہیں ملے گی جو کہ حضرت ابوبکرؓ یا حضرت عمرؓ کی اتباع میں تن من دھن ملت پر نچھاور کر سکے۔ نہ ہی کسی ایسی ہستی کو اس زمانے میں کوئی چلنے دے گا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مسلمانوں کے حکمرانوں کی جو حالت اسوقت ہے وہی قائم رہے گی۔ اسوقت امریکہ، برطانیہ، فرانس، جرمنی، جاپان، کینیڈا، آسٹریلیا، سویڈن آسٹریا وغیرہ میں سالہا سال سے یہ نظام چل رہا ہے بلکہ اس نے ثابت کر دیا ہے کہ اسوقت تبدیلی اقتدار کے لئے انسانی فلاح اور بھلائی کے لئے اس سے محفوظ تر اور پُرامن کوئی دوسرا نظام نہیں رکھتی کہ ہندوستان اور اسرائیل ایسے ممالک جن کی عمریں تقریباً پاکستان کے برابر ہیں وہاں پر کبھی کوئی ایسی ابتری نہیں پھیلی جیسی پاکستان میں رہی ہے۔

الیکشن سسٹم کے خلاف بعض لوگ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اس میں امیدوار اپنے تئیں پیش کرتے ہیں اور وہ اس دلیل کی تائید میں حدیث پیش کرتے ہیں کہ "کسی عہدہ کے لئے آپ کو پیش نہ کیا جائے۔ چونکہ جس شخص نے اپنے لئے کسی عہدے کی طلب کی اس کو آزمائش میں ڈالا جائے گا۔ جسکو بلا طلب کے کوئی عہدہ ملا اللہ تعالٰے اس میں اس کی مدد فرماتے ہیں[1]

اس حدیث کے جواب میں سب سے پہلی دلیل میں یہ دونگا کہ پیغمبر علیہ السلام کے زمانے اور وہ بھی نزول وحی کے وقت کسی عہدہ کے لئے اپنے آپ کو پیش کرنا یقیناً پسندیدہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اولاً محدود سے معاشرے میں جہاں ہر شخص ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتا ہو کسی باخبر شخص کے لئے کسی کی صلاحیتیں مخفی نہیں رہتی چہ جائیکہ پیغمبر علیہ السلام ایسی ہستی کی نظر میں[2] جن کی فراست اور

---

[1] ملاحظہ ہو باب العمل فی القضاء والخوف منہ۔ مشکوٰۃ (حدیث ۲۵۶۲)

---

[2] ملاحظہ ہو صفحہ اگلا

مدرسہ محی السنت

جامع مسجد
پنوں عاقل

مدرسہ ہر دور میں مذہبی تحریکوں کا مرکز رہا ہے۔
جس نے تحریک **ختم نبوت** میں تمام مسلمانوں کے لئے ایک مورچہ کی حیثیت اختیار کی۔
علاقہ کی تمام جماعتیں ظلم و بربریت کے خلاف علم بلند کرنے کا آغاز یہاں سے کرتی ہیں۔
اسی مدرسہ میں تحریک نظام مصطفیٰ میں پولیس نے جوتوں سمیت مسجد میں داخل ہو کر نہتے لوگوں پر ظلم و تشدد کیا، لیکن یہاں کے بہادر عوام نے مزاحمت کر کے ان کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔
مدرسہ جو ایک عرصہ سے باطل طاقتوں اور لادینی قوتوں کے خلاف نظریاتی جنگ لڑ رہا ہے۔
افسوس۔ کہ آج اس مدرسہ کی حالت قابل زار ہے۔ مدرسہ کے کمرے خستہ ہونے کی بنا پر بالکل منہدم ہو چکے ہیں اور نئے کمرے تعمیر کرنے کے کے لئے کوئی سرمایہ نہیں۔
مدرسہ میں اسوقت ماہر تدریس مولانا غلام اللہ صاحب تقریباً یکصد مقامی و بیرونی طلباء کو تعلیم دے رہے ہیں اور بیرونی طلباء کمرے نہ ہونے کی بنا پر مسجد میں رہائش پذیر ہیں۔
اپیل:۔ تمام دردمند اور مخیر حضرات سے استدعا کی جاتی ہے کہ وہ مدرسہ کی ہمہ قسم کی امداد فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الداعی الی الخیر:۔ عبدالرحمن شیخ ناظم اعلیٰ مدرسہ محی السنت
جامع مسجد، پنوں عاقل، ضلع سکھر (سندھ)

بصیرت کے سامنے دنیا جہان کے اہل نظر حضرات ہیچ ہوتے ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ وحی الٰہی کے ذریعہ پیغمبر علیہ السلام کو غیب میں مستور معاملات کے بارے میں بھی خدا تعالےٰ آگاہ فرماتے ہیں۔ ثانیاً آپ علیہ السلام نہایت بامروّت تھے۔ اس لئے ایسی صورت میں کسی شخص کی صلاحیتوں کے پیش نظر آپ علیہ السلام کا اس کو مطلوبہ عہدہ نہ دینے سے امکان ہو سکتا تھا کہ اس کے دل میں ملال آتا جو کہ یقیناً اس شخص کی ہلاکت ایمانی اور خسران عاقبت کا باعث ہوتا[1] اور یہ بھی ممکن نہیں تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی نااہل کو محض مروتاً کسی عہدہ پر فائز کر دیتے چونکہ یہ قرآنی اصول ودیعت امانت میں لحاظ اہلیت کے منافی ہوتا[2] ثالثاً عہد نزول وحی کے دوران تفویض عہدہ جات میں وحی الٰہی بھی راہنمائی فرماتی رہی[3]

بقیہ حاشیہ ۲ صفحہ گذشتہ:
جیسا کہ حدیث ہے کہ مؤمن کی فراست سے بچو چونکہ نور الٰہی اس کے لئے مشعل راہ ہوتی ہے جبکہ پیغمبر علیہ السلام کی بصیرت و فراست کی تو کوئی انتہا ہی نہیں ہو سکتی۔ (اتقوا فراسة المؤمن فانه ینظر بنور اللہ)۔

۱ جیسا کہ روایات میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی سوتے ہوئے شخص کو نماز کے لئے نہیں جگایا بلکہ آپ علیہ السلام ایسے مواقع پر کسی صحابی کے ذریعے سونے والے کو جگانے کا کہتے مبادا کہ نیند کے غصہ میں اس کے منہ سے انکار نہ نکل جائے۔

۲ ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اہلہا (سورہ نساء)

۳ ملاحظہ ہو اگلا کالم

باقی رہا یہ مسئلہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسلام میں کسی عہدہ کے لئے کسی اہل آدمی کو اپنے آپ کو بطور امیدوار پیش کرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟ اسلام نے یقیناً اس کی مخالفت نہیں کی۔ اس کی سب سے پہلی مثال ثقیفہ بنی سعدہ میں استحقاق خلافت کی تقریر ہے جس میں مہاجرین و انصار کے طرفین کی جانب سے اپنے اپنے حق میں دلائل دیئے گئے۔ کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آنحضرت کے وصال کے چند گھنٹے بعد ہی اسلام کی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا تھا اور اتنے بڑے اجتماع میں کسی ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو بھی اسلام کے ایک ضروری اور بنیادی حکم کی طرف اپنے ساتھیوں کی توجہ مبذول کرانے کی توفیق نہ ہوئی۔ کس قدر حیرت کی بات ہے کہ اپنے راہنما اور پیشوا کے اس دنیا سے رخصت ہونے کے چند گھنٹے بعد اس کی تعلیمات سے آنکھیں پھیر لینا کوئی جرم ہی نہیں سمجھا گیا۔ اگر یہ دعوےٰ درست تسلیم کر لیا جائے تو پھر یقیناً سقیفہ بنی سعدہ میں موجود تمام حضرات پر الزام صادق آتا ہے حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ چونکہ حقیقتاً بات یہی تھی کہ اصل میں پیغمبر علیہ السلام کے حضور طلب عہدہ ندیدہ پن تھا اس لئے اس کی ممانعت کر دی گئی تاکہ پیغمبر علیہ السلام کے لئے عہدیداران کے چناؤ میں مکمل آزادی بھی برقرار رہے اور اس کے ساتھ ہی جن جن حکومتوں کے پیش نظر آپ علیہ الصلوٰة والسلام کو انتخاب فرمانا ہوتا وہ صیغہ راز میں بھی رہ سکیں۔ اگر اسلام میں کسی عہدے کے لئے پیش کرنا ممنوع ہوتا تو اس زمانے میں جبکہ چھوٹے سے چھوٹے ملک کی آبادی

بقیہ حاشیہ کالم گذشتہ:
ملاحظہ ہو سیرت النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) لابن ہشام صفحہ ۴۹۱، ج ۱ (رسول اللہ علیہ السلام نے حضرت صدیق اکبرؓ کو ہجرت مدینہ اجازت (باقی حاشیہ اگلا کالم)

لاکھوں سے کم نہیں ہوتی کیا یہ ممکن تھا کہ کسی عہدے کے لئے امیدواروں کے بغیر کوئی حاکم اپنی معلومات یا بصیرت کے مطابق اس کو چن سکتا۔ اگر ایسا ممکن نہیں ہو سکتا تھا تو کیا اسلام پر یہ الزام نہیں آئے گا کہ یہ ہر وقت زمانے اور ہر قوم کے لئے آفاقیت اور عالمگیریت کا حامل نہیں ہے اور نہ ہی یہ حقیقت پسندانہ ہے جو زمانے کے اٹل تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ یہی وجہ تھی کہ اسلام نے ہر ہر جزئیہ کی تصریح کے بجائے اصول بتلا دیے۔ ان کی روشنی میں اجتہاد سے کام لے کر ہر آنے والے زمانے اور مسئلہ سے عہدہ برآ ہونے کی اجازت دیدی گئی اس سے فکر و تدبر کی راہیں بھی کھلی رہیں اور آزادی رائے بھی برقرار رہا۔ دوسری طرف اس کی عالمگیریت قائم رہنے سے تنگ دامانی اور تنگ ظرفی کے الزام سے بھی یہ محفوظ رہا۔ کیا وجہ ہے کہ ہر زمانے میں اسلام کے ماننے والوں کو کبھی اس قسم کی دشواری کا سامنا نہیں ہوا جیسا کہ دیگر مذاہب والوں کو ہوتا رہا ہے اور ہو رہا ہے ان مذاہب کے ماننے والوں کو گاہے بگاہے اپنی دینی تعلیمات میں حسب موقع و محل ترمیمات اور تبدیلیاں کرنے کی ضرورت پڑتی رہتی ہے۔ مثلاً عیسائیت میں طلاق (اس صورت میں کہ ازدواج میں سے کسی ایک پر بدکاری کا الزام بایہ ثبوت کو پہنچ جائے) کسی صورت میں نہیں دی جا سکتی نہ ہی زوجین کی طبائع کی عدم مطابقت کی بناء پر میاں بیوی میں علیحدگی ہو سکتی تھی۔ بعینہ ہندوؤں کے ہاں نکاح بیوگان وغیرہ جو کسی وقت بھی جائز نہیں تھا اب حالات کے مجبور کرنے پر ان کے ہاں جواز نکالا جا رہا ہے۔ اسی طرح دیگر مذاہب کی مثالیں

بقیہ حاشیہ: طلب کرنے پر فرمایا لاتعجل

ہیں۔ لیکن اسلام کو کبھی کسی قسم کے بحران کا سامنا نہیں ہوا۔ اب رہ گیا یہ مسئلہ کہ جب اسلام نے کوئی نظام مخصوص یا متعین نہیں کیا تو پھر پارلیمانی جمہوریت پر زور کیوں دیا جا رہا ہے؟ اس کا جواب صرف یہ ہے کہ اسلام کی رو سے یہ ثابت کرنے کی کوشش نہیں کی جا رہی کہ پارلیمانی طرز حکومت ہی احد اسلام کے قریب نظام حکومت ہے، بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے مخصوص حالات کے تحت صدارتی طرز حکومت مطلق العنانیت پر منتج ہوتا ہے یعنی جن ممالک میں خواندگی کی شرح کم ہو۔ غربت و افلاس بھی زیادہ ہو وہاں برسر اقتدار کسی بھی شخص کے لئے یہ نسبتاً آسان ہوتا ہے کہ اقتدار، حاکمیت، سرکاری ذرائع، مراعات، دھونس یا دولت کے ذریعے آمریت کے جھنڈے گاڑ دے اور آزادی رائے کو دبا دے۔ کسی اختلاف کرنے والے کی آواز کو خاموش کر دے۔ چونکہ لوگوں کو اپنے حقوق کا احساس ہوتا ہے نہ جرأت، تعلیم کے فقدان سے وہ معاملات سلطنت میں مؤثر دخل نہیں دے پاتے ان کے نمائندے بھی، ظاہر ہے، اپنے ووٹروں اور حکمرانوں کی ان کمزوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں اس لئے اگر وہ عوام (اپنے رائے دہندگان سے ووٹ لیتے وقت) کوئی وعدہ بھی کریں تو بعد میں عدم ایفا کے عذر کرانے کے لئے ان کے پاس بے شمار بہانے اور حیلے ہوتے ہیں۔ اس کی بڑی بین مثال واٹر گیٹ اسکینڈل ہے۔[3]

دنیا کے طاقتور ترین حاکم کو اپنی پارلیمنٹ کے سامنے کسی فعل کے بارے میں محض جھوٹ کی بنا پر اقتدار سے الگ ہونا پڑا۔ لیکن افسوس کہ اس مملکت خداداد میں آزادی رائے کا تحفظ تو درکنار لوگوں کے خلوت کدوں کو توڑ کر نکالا گیا۔ ان کو مارا پیٹا گیا لیکن کسی کے کان پر شاید ہی جوں رینگی ہو۔ حتیٰ کہ نمائندگان کے اختلاف رائے کی بنا پر ان کی بہو بیٹیوں کی عزت و ناموس محفوظ نہ رہی۔ کوئی آواز اٹھائی گئی نہ احتجاج ہونے دیا گیا۔ یہی وجہ تھی کہ عوام نے اپنے حالات سے مجبور ہو کر ایک شخص کے ہاتھوں میں ارتکاز اختیار کے خلاف آواز اٹھائی اور پارلیمانی طرز حکومت کے حق میں ووٹ دیا۔[1] لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ قوم نے اپنے مخصوص حالات اور تجربہ کی روشنی میں بالغ رائے دہی کی بنا پر منتخب ہونے والی پارلیمانی طرز حکومت کے حق میں جو فیصلہ کیا وہ بلاشبہ "سبیل المومنین" ہے اور وہی از روئے حدیث احسن فیصلہ ہے[2] اور اس پر عمل پیرا ہونا شریعت کی رو سے ضروری ہوا۔ پھر اگر کسی وقت پارلیمانی جمہوریت کے وہ مصائب جو فی الحال نظروں سے اوجھل ہیں، ظاہر ہو جائیں اور ان کی بنا پر قوم پھر فیصلہ کرے کہ صدارتی یا کسی اور طرز کا نظام اپنایا جائے تو بلاشبہ وہ اسلام کے منافی نہیں ہو گا۔ گویا ایک وقت قوم میں کسی مسئلہ پر اجماع ہوا، پھر دوسرے وقت میں کسی دوسرے

۳۔ واٹر گیٹ ایک جگہ کا نام ہے جہاں پر ۱۹۷۲ء کے امریکی صدارتی انتخابات کے دوران حاکم وقت (صدر نکسن) کے مد مقابل کے ہیڈ کوارٹر میں صدر کے کارندوں کی طرف سے خفیہ گفتگو سننے کے لئے آلات نصب کر دیئے گئے تھے (بقیہ حاشیہ اگلا کالم)

(بقیہ حاشیہ) جب اس حرکت کی کسی جگہ بھنک پڑی اور بات پھیلنے لگی تو صدر کی طرف سے اس واقعہ کو دبانے کا کہا گیا۔ اس پر صدر نکسن پر یہ الزام آیا کہ انہوں نے اس واقعہ پر مٹی ڈالنے کا کہا ہے لہٰذا دال میں ضرور کالا کالا ہے، جس پر کسی صحافی کے سوال پر صدر کی طرف سے اس حرکت سے لاعلمی کا اظہار کیا گیا۔ قوم میں اس کے بارے میں بے چینی شروع ہو گئی۔ "نوبت ایں جا رسید" کہ صدر کا اظہار لاعلمی جھوٹ تھا۔ امریکہ کے صدر کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ جھوٹ بولے۔ لہٰذا ایسے شخص کو عہدے سے ہٹانا ضروری ہو گیا (یہاں پر اس امر کا ذکر بے محل نہ ہو گا کہ خفیہ گفتگو سننے والے آلات نصب کرانے کے ذمہ دار افراد یعنی صدر کے اٹارنی جنرل اور ان کے ساتھیوں کو بعد میں عدالت قانون نے قید کی سزا بھی دی اور ابھی تک وہ سزا بھگت رہے ہیں) صدر کو عہدے سے الگ ہونا پڑا۔ اس کی علیحدگی امریکہ کے صدر نکسن پر کلنک کے ٹیکہ کی مانند ہے۔ واٹر گیٹ نے ثابت کر دیا کہ امریکہ میں انسانی بنیادی حق۔ رازداری کی کس قدر اہمیت ہے۔ جو شخص اپنی بات کسی کو سنانی نہیں چاہتا دوسرے شخص کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس کی وہ بات کسی طرح بھی سنے، خواہ وہ سننے والا شخص ملک کی مقتدر ترین شخصیت ہی کیوں نہ ہو۔ یہ تعلیم بلاشبہ سورہ حجرات میں قرآن نے دی ہے (ولا تجسسوا) لیکن افسوس صد افسوس اس پر عمل کی ہمیں توفیق نہیں۔

۱۔ صدر ایوب کے دور کے آخر میں گول میز کانفرنس میں پارلیمانی طرز حکومت اور بالغ رائے دہی کی بنیاد پر نمائندگان عوام کے چناؤ کا فیصلہ ہوا۔

۲۔ جیسا کہ حدیث گزر چکی ہے کہ "ما راٰہ المسلمین حسنا فھو حسن"

مسئلہ پر جو کہ پہلے سے سراسر مختلف ہے تو شریعت کی رو سے یہ کوئی ناجائز کام نہیں ہو سکتا۔ مثلاً بالفرض اگر قوم کسی وقت یہ فیصلہ کرے کہ وہ فلاں شخص کو تاحیات سربراہ مقرر کرتی ہے اور اس کے بعد فلاں آدمی کو اس کا جانشین مقرر کرے گی تو یہ فیصلہ بھی جائز ہوگا تاآنکہ اس میں قوم بلا جبر و اکراہ فیصلہ کرے۔

بعض لوگ مغربی جمہوریت کی مخالفت اس بنا پر کرتے ہیں کہ اس میں مستقل طور پر معاشرے میں دھڑے بندیاں (سیاسی پارٹیاں) ہو جاتی ہیں۔ کم ازکم دو دھڑے بندیاں حزب اختلاف اور حزب اقتدار کا وجود تو لازم ہوتا ہے جبکہ اسلام میں صرف ایک پارٹی حزب اللہ ہو سکتی ہے یا دوسری پارٹی حزب الشیطان ہوتی ہے۔ لہذا یہ نظام اسلام سے ہم آہنگ نہیں ہو سکتا۔

یہ کہنا کہ اسلام میں صرف ایک ہی پارٹی (حزب اللہ) کے وجود کا جواز ہے صحیح نہیں۔ اصل میں حزب اللہ شیطان کے مقابلے میں اللہ کی پارٹی ہے جو اس کے ماننے والے اور اس کی حاکمیت کے تحت زندگی بسر کرنے والوں کی نشاندہی کرتی ہے۔ مسلمانوں کی سیاسی پارٹیوں کے تعداد سے مراد یہ ہے کہ اپنے سیاسی معاملات چلانے کے لئے کسی ایک فکر کے حامل لوگ باہم اشتراک سے کسی مسئلہ کو حل کرنا چاہتے ہیں۔ اگر اسلام کی رو سے فقہی زاویہ نظر اور شرعی معاملات میں کئی موقف ہو سکتے ہیں جیسا کہ تاریخ شاہد ہے کہ ہماری فقہ میں متعدد طرز ہائے فکر کے وجود کو خلاف اسلام نہیں سمجھا گیا تو پھر مختلف سیاسی لائحہ عمل کے لئے مختلف مکاتب فکر کو اسلام سے متصادم کیوں سمجھا جاتا ہے۔ کسی معاشرے کے سیاسی معاملات کے سلجھاؤ کے لئے ہم خیال لوگوں کا باہم مل جانا اور منظم ہو جانا سیاسی پارٹیوں کو جنم دیتا ہے۔ اس لئے اگر اسلامی معاشرے میں اسلام کے بنیادی اصولوں پر عقیدہ رکھتے ہوئے مختلف الخیال لوگ کسی مسئلہ کے حل یا مقصد کے حصول کے لئے متحد اور منظم ہو کر سرگرم عمل ہونا چاہیں تو اس میں کونسی بات اسلام کے خلاف ہو جاتی ہے۔

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ فقہائے عظام تابعین، صحابہ کرام بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مقدسہ کے دوران غیر منصوص معاملات میں اختلاف آراء ہوتا رہا اور اس اختلاف کو کبھی اسلام کے منافی نہیں کہا گیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس قسم کے اختلاف رائے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے "اختلاف امتی رحمۃ" قرار دیا گیا۔ ایسا اختلاف اسلام کی فعالیت، ترقی پسندی یُسر اور آفاقیت کی علامت ہے۔ فقہائے کرام نے اختلاف رائے بشرطیکہ وہ معقول، مدلل اور للہیت پر مبنی ہو کبھی برا نہیں سمجھا بلکہ اس کے برعکس دلیل مخالف کا احترام بھی کیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اختلاف رائے نے اسلام کے دامن کو نقطہ آفرینیوں سے مالا مال کیا ہے اور قانونی موشگافیوں کا باعث ہوا۔ ہمارے فقہائے کرام اور اسلاف کے ان ذخائر کو دیکھ کر بلاشبہ ہم میں احساس افتخار و ابتہاج پیدا ہوتا ہے کہ کس طرح انہوں نے آج سے سینکڑوں سال قبل قانونی جزئیات دے کر ہمارے علمی سرمائے کو مالا مال کیا ہے۔ اسی نقطہ آفرینیوں کی وجہ سے اسلامی تحریک ہر دم تازہ اور رواں چلی آ رہی ہے۔ دیگر مذاہب اور ادیان کے مسخ ہو جانے اور اپنی اولین تعلیمات سے منحرف ہو جانے کی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان میں اختلاف رائے کی گنجائش نہیں تھی۔ اس طرح سوچ کے سوتے بند ہو کر رہ گئے۔ افکار زنگ آلود ہو گئے۔ اس کے برعکس فقہائے اسلام نے ایسی نام نہاد یک رنگی اور یک آہنگی کو ہرگز پسند نہیں کیا[1]

لہذا اسلام کے بنیادی اصولوں پر ایمان رکھنے کے بعد اجتہادی اور غیر منصوص مسائل کے حل کے لئے اختلاف رائے کی کامل آزادی فراہم کرنے کے لئے متعدد سیاسی جماعتوں کے وجود کا اسلام مخالف نہیں۔

اسلامی معاشرے میں ایک ہی جماعت کے حامیین کی دلیل کو اگر اس بناء پر تسلیم کر لیا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مومنین کی جماعت کے علاوہ کوئی دوسری جماعت نہیں تھی لہذا اسوقت بھی ایک سے زیادہ جماعتوں کا جواز نہیں ہے تو پھر لامحالہ طور پر ان تمام اداروں کو ختم کرنا پڑے گا جو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد میں موجود نہیں تھے اب ہو گئے ہیں۔ مثلاً اسوقت ملت مسلمہ کی ایک ہی ریاست تھی اور ہر کلمہ گو اسی ریاست کا شہری ہوتا تھا اور دنیا کے کسی بھی گوشے سے آنے والے کلمہ گو کو اس میں آنے اور بسنے کی اجازت ہوتی تھی اور دار اسلام کی سرحدیں اس کے لئے کھلی ہوتی تھیں۔ کیا یک جماعتی اسلامی معاشرے کے حامل ہمارے مہربان یہ اجازت دیں گے کہ روئے ارض کے تمام مسلمانوں کو سعودی عرب میں یا کسی اسلامی مملکت میں بلا روک ٹوک بسنے اور آنے جانے کی آزادی ہوتی

---

[1] ملاحظہ ہو کالم اگلا

(بقیہ حاشیہ): جیسا کہ حضرت امام مالکؒ سے منسوب یہ روایت ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید نے موطا امام مالک کو سرکاری طور پر نافذ کرکے اسے سرکاری فقہی مسلک قرار دینے کی تجویز پیش کی، تو امام عالی مرتبت نے خلیفہ کی رائے سے یہ کہہ کر اتفاق نہ کیا کہ اس طرح دیگر مسالک کے پیروکاروں کے لئے آزادی رائے کے مواقع مسدود ہو کر رہ جائیں گے۔" ملاحظہ تاریخ تشریع الاسلامی از محمد خضری — احیاء علوم الدین و امام غزالی و ضحی الاسلام از احمد امین بک مصری

چاہئے اور اسلامی ممالک نے پاسپورٹ وغیرہ اور غیر ملکی مسلمانوں کی آمد پر جو پابندیاں عائد کر رکھی ہیں یہ ختم ہونی چاہئیں اور کیا اس آزادی سے حکومتوں کو چین نصیب ہو سکتا ہے اور وہ سکون سے ملت کے لئے کوئی فلاح و بہبود کا کام انجام دے سکیں گی ؟

حج بیت اللہ اسلام کا اہم رکن ہے اور ہر صاحب استطاعت پر فرض ہے[1]

حدیث شریف میں استطاعت کے باوجود حج نہ کرنے کی وعید میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایسا شخص یہودی ہو کر مرجائے یا نصرانی ہو کر مرجائے اس میں کوئی فرق نہیں[2]

اس وقت تمام اسلامی حکومتوں کی طرف سے حاجیوں کی تعداد مقرر ہے اور کسی ملک کے تمام عازمین حج کو شاید ہی بلا روک ٹوک حج کی اجازت ملتی ہو۔ اس کے علاوہ بعض ممالک کی طرف سے ایسی پابندیاں عائد ہیں کہ ان پابندیوں کی وجہ سے بسا اوقات کئی کئی سال تک حج کی سعادت لوگوں کو نصیب نہیں ہوتی اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ عازمین حج درخواستوں کی منظوری کے انتظار میں راہی ملک عدم ہو جاتے ہیں۔ علمائے کرام، دانشور حضرات اور تمام اہل علم و فضل میں کتنے حضرات نے

[1] وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا (سورہ آل عمران - ۹۷)

[2] ملاحظہ ہو مشکوٰۃ شریف حدیث نمبر ۲۴۰۷ (عن علیؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ملک زادا و راحلۃ تبلغہ الی بیت اللہ و فلا علیہ ان یموت یہودیا او نصرانیا" ذالک ان اللہ تبارک وتعالی یقول وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا۔
نیز حدیث نمبر ۲۴۲۰

عازمین حج کی تعداد اور کوٹہ پر ناجائز یا حرام ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ اسی طرح بے شمار مثالیں ایسی پیش کی جا سکتی ہیں جو اس امر کی شاہد ہیں کہ امت مسلمہ نے حالات و زمانہ کی رعایت سے بہت سے معاملات میں ماثور طرز عمل سے ہٹ کر لائحہ عمل اختیار کیا لیکن اس سے ہرگز یہ استنباط نہیں ہوتا کہ نعوذ باللہ ہمارے اسلاف نے ان معاملات میں راہ حق سے روگردانی کی یا دین کی روح کو سمجھا نہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے دین کی منشاء اور روح کو سمجھ کر ہی اجتہاد کر کے اسے اپنے وقت کا بہترین ضابطہ حیات ثابت کیا۔ مثلاً فقہ کا یہ بنیادی کلیہ ہے کہ "ضرورتیں ممنوع چیز کو بھی مباح قرار دے دیتی ہے"[1] اسی طرح قرآن مجید نے بتایا ہے "اللہ تعالیٰ تمہارے لئے سہولت چاہتے ہیں اور تنگی نہیں چاہتے"[2] اور پھر اسی اصول پر مبنی حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ "دین آسان ہے"[3] فقہائے امت نے ان اصولوں کی بنا پر بہت سے معاملات میں سہولت کی اجازت دی ہے یا بالفاظ دیگر وہ کون سے حالات ہیں جن میں فقہائے امت نے احکام میں تبدیلی کی اجازت دی ہے۔ اس کے بارے میں.........

فقہائے کرام کی بہت سی تصانیف

[1] الضرورات تبیح المحظورات (ملاحظہ ہو الاشباہ والنظائر) جلال الدین سیوطی صفحہ ۶۰ و ابن نجیم ص ۳۴ یا امام غزالی وجیز ج ۲ صفحہ ۲۱۶

[2] یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر (سورہ البقرۃ آیت ۱۸۵)

[3] الدین یسر (عمدۃ القاری شرح بخاری از علامہ بدر الدین عینی ص ۲۳۵ ج ۱

موجود ہیں جن میں اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ ان فقہائے کرام نے احکام شرع کی دو اقسام قرار دی ہیں۔ اوّل عبادات ثانی، معاملات دنیوی۔

عبادات کے بارے میں تو ان حضرات کی مباحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی عبادات سے بے نیاز ہے۔ نہ اسے فرمانبرداروں کی اطاعت سے فائدہ ہو سکتا ہے نہ گنہگاروں کے گناہوں سے نقصان[1]

معاملات دنیا کے متعلق ان کی گفتگو کا لب لباب یہ ہے کہ دین میں معاملات کے مقاصد معقول اور حکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔ ان میں اصل یہ ہوتی ہے کہ مفید اشیاء مباح ہوتی اور نقصان دہ ممنوع ہوتی ہیں[2] اس سلسلے میں ابن القیم الجوزی کا قول سب سے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ "شریعت کی بنیاد حکمتوں اور لوگوں کی دنیاوی اخروی فلاح و بہبود پر ہے اور شریعت کاملہ انصاف سراسر رحمت اور حکمت ہے۔ پس جس مسئلہ پر انصاف کے بجائے ظلم ہو وہ شریعت کا مسئلہ نہیں اگرچہ اسے تاویلاً شرع میں داخل کر لیا گیا ہو پس شریعت خدا کے بندوں میں اس کا انصاف اور مخلوق

[1] عز بن عبدالسلام شافعی، ابن القیم الجوزیہ حنبلی ابو اسحاق شاطبی مالکی ابو یوسف حنفی، امام شہاب الدین ابو العباس احمد بن ادریس قرافی امام نجم الدین ابو الربیع سلیمان بن عبدالقوی طوفی کی کتب قواعد الاحکام اعلام الموقعین موافقات والاعتصام کتاب الخراج وغیرہ

[2] ملاحظہ ہو قواعد الاحکام لعز بن عبدالسلام ج ۲ ص ۷۰

[3] فاما الزبد فیذھب جفاء واما ماینفع الناس فیمکث فی الارض (سورہ رعد آیت ۱۷)

ہیں اس کی رحمت ہے۔ اسی سے زندگی ہے، غذا ہے، دوا ہے، نور ہے، شفا ہے اور حفاظت ہے۔ زندگی کی ہر بھلائی شریعت سے وابستہ ہے اور زندگی کے ہر نقصان کا سبب ترکِ شریعت ہے[1]

دنیا کی انقلاب پذیری میں معاشرہ انسانی کے معیارات فلاح و بہبود اور نفع و ضرر بھی متغیر ہے۔ چنانچہ ان تغیرات کے مطابق احکام شریعہ میں تبدیلی، اختلاف زمان و مکان، احوال و ظروف اور عادات بشریہ میں تبدیلی کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ تبدیلی حالات کے ساتھ تبدیلی احکام کی یوں تو بے شمار مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں لیکن بخوف طوالت چند ایک پر اکتفا کیا جائے گا۔ قبل اس کے یہ مثالیں پیش کی جائیں۔ مندرجہ ذیل دو امور اصولی طور پر پیش نظر رکھے جائیں گے۔

۱۔ یہ کہ جمہور فقہائے مجتہدین نے تبدیلی احکام کے اصول کو تو تسلیم کر لیا ہے لیکن جب کسی مسئلے کے متعلق قرآن یا سنت کی نص قطعی موجود ہو تو اس صورت میں اختلاف ہے مثلاً اگر قرآن و سنت کا کوئی حکم دین و عبادات سے متعلق ہو تو وہ اس وقت تک باقی رہے گا جب تک زمین زمین ہے اور آسمان آسمان (قیامت تک) کیونکہ اصول دین اور توحید و ایمان کے ضابطے حقیقی ہیں اور ناقابل تبدیل نیز ازلی و ابدی ہیں۔ ان تمام کے حکم میں نص کے حکم کی اطاعت لازمی ہے اور چونکہ دین ہر متنفس اور ہر اس شخص کے لئے جو روئے زمین پر پیدا ہوا ہے قیامت تک کے لئے فرد کا ہے لہذا اس پر زمان و مکان اور حالات کی تبدیلی کا کوئی اثر نہیں ہو گا، لہذا وہ ہر زمانے میں ہر جگہ اور ہر حال میں باقی رہے گا[2]

۱۔ اعلام الموقعین

۲۔ ملاحظہ ہو فلسفہ شریعت اسلام از صبحی محمصانی ص ۲۴۰ تا ص ۲۴۸

لیکن قرآن و سنت کا جو حکم معاملات دنیا سے متعلق ہو اس کے بارے میں اصول یہ ہے کہ اس کا منشاء مفہوم اور اسباب و علل پر غور کیا جائے گا۔ پس اگر ان میں مصالح عامہ ہوئی تو اس کے پیش نظر اس میں تبدیلی کی جا سکتی ہے[1]

۲۔ یہ امر بھی تسلیم شدہ ہے کہ قرآن اور حدیث دونوں میں عمل نسخ تسلیم کیا جاتا ہے[2] اور یہ عمل ایک نص سے دوسری نص میں ترمیم و اضافہ شمار ہوتا ہے۔

مندرجہ تصریحات کے تابع اب ہم حالات زمانہ کی تبدیلی سے احکام میں تبدیلی کی مثالیں عرض کرتے ہیں۔

قرآن کریم نے مصارف زکوٰۃ سورۂ توبہ کی آیت کریمہ ۶۰ میں آٹھ مصرف متعین کر دیے ہیں ان میں چوتھا مصرف المولفہ قلوبہم بھی ہے۔ مولفہ قلوبہم وہ مسلمان یا غیر مسلمان لوگ تھے جنہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے خیرات عطا فرمایا کرتے تھے کہ ان کی دلجوئی کر کے انہیں اسلام پر قائم رکھیں خواہ ان کے ایمان سے ہو یا ان کے دفع شر یا ان کے قبیلے میں اثر و رسوخ سے۔ باوجود صریح نص قرآنی کے حضرت عمرؓ بن خطاب نے مؤلف القلوب کا حصہ موقوف کر دیا اور فرمایا کہ یہ حصہ تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے دیتے تھے کہ تمہاری دلجوئی سے تمہیں اسلام

۱۔ ان الحکم الشرعی المبنی علی عطیۃ وردید علی علتہ وجوداً وعدماً۔ ملاحظہ ہو المنافع شرح المجامع ان الحکم الشرعی مبنی علی علتہ فیتبعها ینتهی لاینکر تغیر الاحکام بتغیر الزمان مجلس الاحکام العدلیہ مادہ (۳۹)

۲۔ ملاحظہ ہو آیت کریمہ "ماننسخ من آیۃ او ننسھا نأت بخیر منھا او" (آیت ۱۰۶ سورہ بقرہ)

پر قائم رکھیں اور تم اسلام یا مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچاؤ۔ اب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو طاقتور بنا دیا ہے اور تم سے بے نیاز کر دیا ہے۔ پس اگر تم اسلام پر قائم رہو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے ورنہ ہمارے اور تمہارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی[1] ہم اسلام کے معاوضے میں تمہیں کچھ نہیں دیں گے لہذا جس کا جی چاہے اسلام لائے اور جس کا جی چاہے کافر ہو جائے۔

نزول وحی کے وقت اس آیت کریمہ کا حکم اشاعت و حفاظت دین تھا۔ لوگ کمزور تھے۔ لوگوں کی ہمدردیوں اور طاقتور دشمنوں کے رفع شر کی ضرورت تھی۔ جب حضرت عمرؓ کے عہد میں اسلام اسقدر طاقتور ہو گیا تو ایسے لوگوں کی ہمدردیاں یا رفع شر بے معنی ہو کر رہ گئیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس حکم کو منسوخ کر دیا جو اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے دیا گیا تھا۔

۲۔ اسی طرح قرآن کریم نے جنگ کے مال غنیمت کی تقسیم بتادی ہوئی ہے۔ اس میں عہد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور غرباء کے لئے خمس مقرر کیا گیا[2] بقیہ چار حصے جنگ میں شریک مجاہدین کا حصہ ہوتے تھے۔ عہد نبوی و صدیقی میں اس تقسیم کے مطابق عمل ہوتا رہا۔ عہد فاروقی میں بھی ابتداً اسی پر عمل ہوتا رہا۔ بعد میں مال غنیمت کی فراوانی ہو گئی اور عراق فتح ہوا تو حضرت عمرؓ نے عراق کی زمینیں مجاہدین میں تقسیم کرنے سے انکار کر دیا اور تمام صحابہ کرام رضی نے اس کا قائل کر لیا کہ وہ زمینیں مجاہدین کی بجائے مملکت کی

۱۔ ملاحظہ ہو تفسیر طبری مذکورہ آیت

۲۔ واعلموا انما من شئی فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربی والیتامی والمساکین وابن السبیل (سورہ انفال ۸ آیت ۴۱)

ملکیت میں رہنے دی جائیں۔ چونکہ اگر اسی طریق پر مال غنیمت کی تقسیم ہوتی رہی تو ایک طرف دولت صرف چند لوگوں میں مرتکز ہو کر رہ جائے گی جو کہ قرآن کریم کے اصول کے خلاف ہوگی[1] دوسری طرف آپؓ نے فرمایا کہ آنے والی نسلوں کے لئے ہمارے پاس کیا رہے گا۔ چنانچہ آپؓ کی دلیل سے صحابہ کرامؓ نے اتفاق کرلیا اور اس فیصلہ کے مطابق عراق کی مفتوحہ زمینیں سابقہ قابضین کے تصرف میں رہنے دی گئیں اور ان کا محاصل خراج بیت المال کا حصہ قرار پایا۔

۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد صدیقیؓ میں ایک ہی نشست میں دی ہوئی ایک سے زیادہ طلاقیں ایک ہی متصور ہوتی تھیں۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی ابتداءً یہی حکم رہا، لیکن بعد میں اس مسئلہ پر حضرت عمرؓ نے محسوس کیا کہ لوگوں نے اس قسم کی طلاق کو ایک کھیل بنا لیا ہے، اور ایسی طلاقیں بکثرت دی جانے لگی ہیں تو آپؓ نے ان کو ایسی بُری عادت سے روکنے کے لئے ایک ہی نشست میں ایک سے زیادہ طلاقوں کو بائن قرار دیدیا۔ امت نے اس پر اتفاق کرلیا[2]

۴۔ عاقلہ کی جدید تشکیل،

قتل کا خون بہا ادا کرنے کے لئے عہد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دوران اس سے قبل اور عہد صدیقی میں قبائل کی عاقلہ ہوتے تھے لیکن حضرت عمر فاروق نے اپنے عہد میں جب فوج کی تنظیم کی اور دیوان مرتب کئے تو قبیلہ کے بجائے اہل دیوان کو عاقلہ قرار دیدیا، اس پر صحابہؓ نے اتفاق کرلیا۔ وجہ یہ تھی کہ کہ ابتداءً کسی شخص کا قبیلہ اس شخص کی طاقت

[1] کی لا یکون دولۃً بین الاغنیاء منکم (سورہ حشر ۵۹ آیت ۷)

[2] ملاحظہ ہو فقہ عمرؓ از شاہ ولی اللہ دہلویؒ (اردو ترجمہ) نیز سیاست شرعیہ از رئیس احمد جعفری ص ۲۵

اور اثر و رسوخ کی وجہ ہوتا تھا۔ بعد میں جب قبائل کی قوت اور اثر کم ہو گیا تو جنگی طاقت قبائل سے منتقل ہو کر محکمہ فوج کے ہاتھ آگئی۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے خونبہا قاتل کے قبیلہ کے بجائے اہل دیوان پر ڈال دیا۔

۵۔ اسی طرح ذمی کے خون بہا کے سلسلے میں حالات و زمانہ کے بدلنے سے تبدیل واقع ہوتی رہی۔ مثلاً عہد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) صدیقیؓ، فاروقیؓ اور عثمانیؓ کے دوران یہودیوں اور نصرانیوں کا خون بہا مسلمان کے خون بہا کے برابر ہوا کرتا تھا۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ذمی کا خون بہا برابر ہے۔ امام مالکؒ اور امام حنبلؒ کے نزدیک مسلمان سے نصف ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک مسلمان کا تیسرا حصہ ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے عہد میں ذمی کے خون بہا کا نصف مقتول کے ورثاء اور نصف بیت المال کے لئے مقرر کردیا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ورثاء کا نصف رہنے دیا اور بیت المال کا نصف معاف کردیا تھا۔ دو خلفاء کا عمل سنتؐ اور عمل صحابہؓ سے مختلف تھا اور یہ تبدیلی اس وقت کی سیاست کا تقاضا تھا[1]

۶۔ بعینہٖ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی ایک مثال ہے کہ عہد اسلامی کے دور اول کے دوران اساتذہ کے بڑے بڑے وظائف مقرر تھے۔ اسی بنا پر امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین نے قرآن مجید اور دینی تعلیم کی تدریس کی اجرت ممنوع قرار دیدی، مگر جب اساتذہ کے وظائف موقوف ہوگئے تو متاخرین فقہائے نے رواج بدل جانے کے سبب اس قسم کی اجرت کے جواز کا فتویٰ دے دیا[2]

[1] ملاحظہ ہو فلسفہ شریعت اسلام از صبحی محمصانی (۲۳۷ تا ۲۶۲) ص ۲۵

[2] ملاحظہ ہو حاشیہ اگلا کالم

۷۔ اسلام نے کسی مرہونہ مکان کے انتفاع (کرایہ) کو ممنوع قرار دیا ہے۔ چونکہ یہ سود کے مترادف ہے۔ قرون وسطیٰ میں بخارا کے مسلمانوں کے مخصوص مالی حالات کے پیش نظر ایسی ضرورت پیش آئی اور لوگوں نے اس سے بچنے کے لئے مشروط بیع کا ایک معاہدہ رواج دیدیا یعنی کوئی شخص کسی کے ہاتھ اس شرط پر اپنی جائیداد فروخت کرتا کہ مشتری کسی مقررہ مدت کے بعد اس بائع کو وہ مکان فروخت کرے گا اس کو بیع بالوفا کا نام دیا گیا۔ وہاں کے فقہا نے اس کے جواز کا فتویٰ دے دیا[1] وجہ یہ ہوئی تھی کہ بخارا کے مسلمان بری طرح زیر بار ہوگئے تھے چنانچہ اگر اس قسم کی بیع کی اجازت نہ دی جاتی تو ان کی جائیدادیں بک جاتیں اور وہ قلاش اور مفلس ہو کر رہ جاتے۔ ان حالات میں وہاں کے مخصوص حالات کے پیش نظر علمائے بخارا نے مخصوص یا متعین مدت کے بعد فروخت شدہ املاک کو سابقہ مالک کو لوٹانے کی شرط کو جائز قرار دیدیا۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک حکم شرع کا اتباع واجب ہے نہ کہ جدید

(بقیہ حاشیہ) اس طرح کی بہت سی دیگر مثالیں کتب سیر و تاریخ اور فقہ میں ملتی ہیں لیکن بخوف طوالت ان کا ذکر نہیں کیا جا رہا ہے مثلاً یہ کہ ام ولد کی بیع کی ممانعت، زانی کی سزا میں ایک سال کی جلاوطنی کی موقوفی، بیت المال کی جعلی مہر بنانے والے ملازم کی سزا سو کوڑے مقرر کی گئی حالانکہ حدیث کی رو سے حد کی سزا کے برابر تعزیر نہیں دی جاسکتی۔

[1] ملاحظہ ہو المجلۃ الاحکام سر عبدالرحیم کی محمڈن جیورس پروڈنس نیز فلسفہ شریعت اسلام نیز اسلامک جیورس پروڈنس اینڈ دی رول آف نیسیسٹی اینڈ سٹیٹ از ڈاکٹر محمد مصلح الدین

رسم و رواج کا لیکن قاضی ابو یوسف کو چونکہ زندگی کے کٹھن حقائق سے بحیثیت قاضی واسطہ پڑ چکا تھا اس لئے حضرت عمر رضؓ کی طرح ان کی رائے زیادہ حقیقت پسندانہ معلوم ہوتی ہے۔ آپ کے نزدیک رسم و رواج بدل جانے سے استحسانًا حکم شرع ترک کر دینا اور رواج کا اتباع ضروری ہے کیونکہ ایسی صورت میں حکم شرع کا مطمع نظر بھی رسم و رواج تھا۔ مجلہ نے بھی اسی رائے کو اختیار کیا ہے[1] مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں جو اور گندم کیل (ماپنے کی) چیزیں ہوتی تھیں لیکن بعد میں یہ وزن کر کے بیچی جانے لگیں، چنانچہ امام ابو یوسف رحؒ نے بھی ان کے حق میں فتویٰ دیدیا۔

خلاصۂ کلام

سطور بالا میں کی گئی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام نے مسلمانوں کے لئے کسی خاص قسم کا طرز حکومت مقرر نہیں کیا بلکہ اس کا تعین ہر دور کے مسلمانوں کی صوابدید پر چھوڑ دیا کہ وہ اپنے حالات زمانے کے مطابق جو طرز حکومت بھی مناسب خیال کریں اپنا لیں۔ لیکن یہ اصول ضرور متعین کر دیے کہ ارباب بست و کشاد مسلمانوں کے معاملات مملکت شوروی طرز پر چلائیں۔ ریاست فلاحی ہو اور اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ امر بالمعروف نہی عن المنکر کے قیام کی ذمہ دار ہو گی۔ بنی نوع انسان کی مجموعی فلاح و بہبود اور آسانی کو ملحوظ رکھے۔ انسانوں میں رنگ و نسل، قوم، علاقہ، دین وغیرہ کی بنا پر کسی قسم کا امتیاز نہ برتے۔ اسلام کا مقصد ہی دنیا میں امن و سلامتی کا قیام ہے لیکن ایسی امن و سلامتی ترغیب و تحریص اور افہام و تفہیم سے ہو۔ جبر و اکراہ سے نہ ہو۔ عدل و انصاف قائم کیا جائے اور اس میں کسی قسم کی رعایت یا عداوت کا دخل نہیں ہونا چاہیئے۔ حکمران خواہ کسی طریق پر چنا جائے یا برسر اقتدار آ جائے اسے اسلام کے بتائے ہوئے مذکورۃ الصدر اصولوں کے مطابق حکومت چلانی چاہیئے۔

۲۔ جن معاملات میں قرآن و سنت میں کوئی رہنمائی نہ ملتی ہو ان میں اجتہاد کے ذریعے رہنمائی حاصل کی جائے۔

۳۔ ملت مسلمہ کے اجتماعی مسائل میں فلاح عامہ کا خیال رکھا جائے اور جن امور کو ملت مسلمہ کی اکثریت مستحسن سمجھتی ہو ان کو بہتر سمجھا جائے اور اکثریت کی رائے کے مطابق عمل کیا جائے۔

۴۔ تبدیلی حالات سے اگر مصالح عامہ کے تقاضے بدل جائیں تو ملت بیضا کی بہتری کے لئے احکام میں دین کی روح اور تقاضوں کے مطابق تبدیلی کر کے فلاح عامہ کا خیال رکھا جائے۔

۵۔ لہذا اسوقت مسلمانوں کے حکمرانوں کے چناؤ کے لئے جو بہترین طریق کار مروّج ہے وہ یہی ہے کہ قوم کے صحیح الدماغ بالغ حضرات کی رائے کے مطابق انکا چناؤ ہو اور جب تک قوم کی اکثریت کی حمایت کسی حکمران کو حاصل رہے حکمران کو برسر اقتدار رہنا چاہیئے۔ جب اکثریت اس کے خلاف ہو جائے تو اسے حکومت اس جماعت یا افراد کو سونپ دینی چاہیئے جنہیں اکثریت کا اعتماد حاصل ہو۔

۶۔ صدارتی طرز حکومت اسلامی ہے نہ پارلیمانی صرف پاکستان کی موجودہ اکثریت نے واضح طور پر کثرت رائے سے اس امر سے اتفاق کر لیا ہوا ہے اور ابھی تک اس رائے سے اس نے رجوع نہیں کیا کہ یہاں پر پارلیمانی طرز حکومت ہونا چاہیئے اور حکمرانوں کے چناؤ کے لئے اکیس سال کے صحیح الدماغ بالغ افراد کی رائے خفیہ طور پر لے کر چناؤ ہونا چاہیئے، لہذا یہی پاکستان کے رہنے والے مسلمانوں کی بہتری کا حامل نظام ہے۔

۷۔ جب تک امت مسلمہ پاکستانیہ کی اکثریت مذکورہ بالا رائے سے رجوع نہیں کرتی اسلام کی رُو سے ہمارے لئے اس رائے پر عمل ضروری ہے اور جو لوگ اس کی مخالفت کر رہے ہیں وہ نہیں چاہتے کہ پاکستان کے حکمرانوں کی تبدیلی پُرامن طور پر جمہوری طریقے سے عمل میں آیا کرے اور یہاں سے مطلق العنانیت، استبداد کا خاتمہ ہو اور ملک صحیح معنوں میں فلاح و ترقی کے راستے پر گامزن ہو، بلکہ یہ لوگ کاسہ لیس قماش کے ہیں جو ہر چڑھتے سورج کے پجاری ہیں اور ہر حکمران کو یہی مشورہ دیا کرتے ہیں کہ آپ سب سے اعلیٰ و ارفع برتر اور عقل کل ہیں۔ عوام جاہل ان پڑھ ناسمجھ ہیں، ان کو جانوروں کی طرح ہانکتے چلا جانا آپ کا حق ہے۔

۸۔ اسلام میں امور مملکت میں مشورہ لینے کی جو مثالیں ملتی ہیں ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا خلفائے راشدین رضؓ نے کبھی کسی مخصوص طبقے کے لئے مشورہ محدود نہیں رکھا، بلکہ اس میں ہر اعلیٰ و ادنیٰ عالم و عامی کو حق رائے دہی حاصل رہا اور مشاورت عامہ میں داخلہ کے لئے کبھی کوئی پابندی عائد نہیں کی گئی۔

کتابیات

تفاسیر: طبری معارف القرآن
مفتی محمد شفیع مرحوم
قرآن (مولانا امین احسن اصلاحی)
تفسیر ماجدی (مولانا عبدالماجد دریابادی)
۱۔ مشکوٰۃ المصابیح
(ابو محمد حسین بن مسعود فراء البغوی)
شیخ ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب عمری
اردو ترجمہ: تاجران کتب "قرآن محل"
کراچی۔
۲۔ عمدہ القاری

---

[1] جیسا کہ حدیث میں آیا ہے "البر کیلاً بکیل والشعیر بالشعیر کیلاً بکیل۔ ملاحظہ ہو المغنی لابن قدامہ ج ۴ ص ۱۳۶)

شرح صحیح بخاری
از علامہ بدر الدین العینی

۳۔ فتح الباری بشرح البخاری
حافظ شہاب الدین ابو الفضل العسقلانی
المعروف ابن حجر
مطبوعہ شرکۃ مکتبہ و مطبعہ
مصطفی البابی و اولادہ مصر

۴۔ تاریخ طبری
(تاریخ الامم والملوک)
از ابن جریر الطبری
اردو ترجمہ سید محمد ابراہیم
مطبوعہ نفیس اکیڈیمی کراچی (۱۹۶۷ء)

۵۔ سیرت النبی ابن ہشام
(ابو محمد عبد الملک بن عبد الجلیل صدیقی ہشام)
اردو ترجمہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور

۶۔ سیاست شرعیہ
از رئیس احمد جعفری
ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور پاکستان

۷۔ سیرت خلفائے راشدین
از معین الدین ندوی
مطبع معارف دار المصنفین اعظم گڑھ
مطبوعہ ۱۳۴۶ھ

۸۔ ازالۃ الخفاء
عن خلافۃ الخلفاء
حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی
اردو ترجمہ مولانا عبد الشکور، مولانا انشاء اللہ
مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز
تاجران کتب، کراچی

۹۔ حجۃ اللہ البالغہ
از شاہ ولی اللہ دہلوی
اردو ترجمہ ابو محمد عبد الحق حقانی
ناشر نور محمد کارخانہ تجارت کتب
آرام باغ، کراچی

۱۰۔ سیرت النعمان
از شبلی نعمانی
ناشر ایم ثناء اللہ خاں،
ریلوے روڈ لاہور
مطبوعہ ۱۸۹۳ء

۱۱۔ امام ابو حنیفہ
عہد، حیات، از ابو زہرہ
اردو ترجمہ رئیس احمد جعفری
مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور

۱۲۔ فقہ الاسلام
از حسین احمد الخطیب
اردو ترجمہ سید رشید احمد ارشد
نفیس اکیڈیمی کراچی۔

۱۳ خلافت و ملوکیت
از مولانا ابو الاعلیٰ مودودی
اسلامک پبلیکیشنز لاہور
مطبوعہ ۱۹۶۶ء

۱۴۔ طبقات ابن سعد
(محمد بن سعد م ۲۳۰)
اردو ترجمہ عبد اللہ بن العماری
نفیس اکیڈیمی، کراچی

۱۵۔ حقیقت خلافت و ملوکیت
محمود احمد عباسی ۱۹۶۸ء
ناشر مکتبہ محمود لیاقت آباد کراچی

۱۶۔ تاریخ ابن خلدون (اردو ترجمہ)
حکیم احمد حسین عثمانی
نفیس اکیڈیمی کراچی مطبوعہ ۱۹۶۹ء

۱۷۔ البدایہ والنہایہ
از ابو الفدا حافظ ابن کثیر
مکتبۃ المعارف ومکتبۃ النصر الریاض
مطبوعہ ۱۹۶۶ء

۱۸۔ الاشباہ والنظائر
مع شرح للعلامہ الحموی
از ابن نجیم،
مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ

۱۹۔ الاحکام فی اصول الاحکام
از حافظ ابو محمد علی ابن حزم الاندلسی
مطبعہ الامام ۱۳ ۔ مصر

۲۰۔ المستصفیٰ من علم الاصول
از ابو حامد محمد بن محمد الغزالی
مطبع امیریہ دار صادر مصر

۲۱۔ رد المختار
محمد امین المعروف بابن عابدین
دار الطباعۃ العامرہ

۲۲۔ المحلیہ الاحکام العدلیہ
مطبوعہ کارخانہ تجارت کتب
آرام باغ، کراچی۔

۲۳۔ اسلام کا نظام حکومت
از مولانا حامد الغازی الانصاری
ندوۃ المصنفین دہلی طبع ۱۹۵۶ء

۲۴۔ احیاء علوم الدین
از ابو حامد محمد بن محمد الغزالی

۲۵۔ ضحی الاسلام
از احمد امین بک مصری
مطبوعہ ادارہ طلوع اسلام، لاہور

۲۶۔ تاریخ تشریع الاسلامی
از محمد خضری اردو ترجمہ

۲۷۔ احکام شرعیہ میں
حالات و زمانہ کی رعایت
از مولانا محمد تقی امینی
مطبوعہ سندھ ساگر اکادمی، لاہور

۲۸۔ العلم والعلماء
علامہ ابن عبد البر کی مشہور تصنیف
جامع بیان العلم والفضلہ
از مولانا عبد الرزاق ملیح آبادی،
ندوۃ المصنفین، دلی۔

۲۹۔ اسلام کا اقتصادی نظام
مؤلف، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی
ناشر ندوۃ المصنفین دہلی
مطبوعہ ۱۹۵۹ء

۳۰۔ سیرۃ عمر بن عبد العزیز
از ابو محمد عبد بن عبد الحکیم
اردو ترجمہ مولانا محمد یوسف لدھیانوی
ناشر مکتبہ رشیدیہ،
شاہ عالم مارکیٹ، لاہور
مطبوعہ ۱۹۷۵ء

۳۱۔ الاحکام السلطانیہ
از امام ابو الحسن بن محمد بن حبیب البصری
البغدادی الماوردی۔
اردو ترجمہ سید محمد ابراہیم (ندوی)
ناشر نفیس اکیڈیمی کراچی۔ مطبوعہ ۱۹۶۵ء

ابو عبدالرحمٰن سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ابو عبدالرحمٰن سید القریش خال المومنین حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے برادر نسبتی صحابیٔ رسول امام جری مغفور و مقبول سیدنا حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما۔ آپ رضؓ پانچویں پشت پر حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ شجرۂ خاندان میں مل جاتے ہیں۔ آپ رضؓ بچپن سے ہی ذہین اور ہوشیار تھے۔ آپ رضؓ خوش پوش جوان تھے، سرخ و سفید خوش رنگ وجیہہ چہرہ اور موزوں قد و قامت تھے۔ سیدنا حضرت امیر معاویہ رضؓ کے مناقب و فضائل سے قبل تمہیداً یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ جمیع صحابہ کرام رضؓ ہم سب کے لئے واجب الاحترام ہیں۔ ان کا اکرام قرآن و سنت میں بھی بڑے التزام اور تکرار کے ساتھ اور بڑی تاکید کے ساتھ آیا ہے۔ آج کے دور میں ہم جن لوگوں کو دنیوی ترقی کے باعث یا ان کی مغربی تعلیم کی تکمیل کے بعد کوئی تمغہ دیتے ہیں تو اس تمغہ کے باعث دنیا ان کی عزت و عظمت اور اکرام و احترام کرتی ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو رب کائنات نے "رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ" کا تمغہ دیا ہے تو اس تمغہ کے بعد ان کی عیب جوئی کرنا ایمان کی موت ہے لاریب!

صحابہ کرام رضؓ معصوم نہیں تھے مگر قرآن و حدیث کے فرمودات کے مطابق وہ مغفور و مرزور تھے۔ مگر جیسا کہ احقر راقم عفا اللہ عنہ نے حضرت امیر المومنین علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ سے متعلق اپنے مختصر مضمون میں یہ واضح کیا تھا کہ اس دور میں عبداللہ بن ابی کے چالاک شاگرد عبداللہ بن سبا نے خیر القرون میں بھی خالص اسلامی سلطنت میں ایسا بگاڑ پیدا کر دیا کہ اس عہد مقدس میں جتنے فتنے اور مسلمانوں کے مابین جتنی خطرناک جنگیں ہوئیں ان سب میں نمایاں کردار اس ابن سبا یہودی کا ہے۔ اسی کے گروہ نے جھوٹے الزامات پھیلا کر اپنا ایک فسادی گروہ پیدا کیا اور پھر خلیفۃ المسلمین حضرت ذوالنورین جیسی مقدس ہستی اور داماد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر ڈالا۔ حضرت شیر خدا رضی اللہ عنہ اور ام المومنین عائشہ صدیقہ اور دیگر معزز عشرہ مبشرہ میں سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جنگ جمل میں لڑایا اور جب یہ آگ ٹھنڈی ہوتے دیکھی تو معرکہ صفین پیدا کر کے وہاں حالات کو بگاڑ کر اسلام دشمنی کے باعث مخلص اور جنتی صحابیوں رضؓ کو لڑنے پر مجبور کر دیا۔ یہاں بھی جب دال نہ گلی تو خارجیت کی صورت میں نمودار ہو کر حضرت امیر المومنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جیسی مقدس ہستی کو شہید کر ڈالا۔ اگرچہ "نہروان" کی جنگ میں حضرت شیر خدا رضؓ نے ان کی طاقت کو پارہ پارہ کر ڈالا تھا مگر جو باقی بچے تھے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سچے دین اسلام کو بدنام کرنے کے لئے کمر ہمت باندھ کر ایک اور محاذ کھول دیا۔ ان کی شوریٰ نے ایک بار ایک اور نہایت غلیظ میدان تلاش کر کے صحابہ کرام رضؓ کے خلاف الزامات کی بوچھاڑ کر دی اور ایسا طوفان بدتمیزی برپا کیا کہ مورخین کو بھی صحیح حالات کی چھان بین کرنا بہت دشوار ہو گیا، اور مسلمانوں کی تاریخ ان خبیث کے ملبوں کا شکار ہو کر سامنے آئی تو اس کا عشر عشیر بھی بمشکل ہی درست تھا۔ پھر ہر دور میں ان الزامات میں اضافہ ہی ہوتا رہا حتیٰ کہ ہمارے دور کے متجددین نے تو اس سبائی تحریک کو ایک نیا رنگ دیا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم بالخصوص بنی امیہ اور ان میں سے بھی خصوصاً حضرت خلیفۂ ثالث رضؓ اور حضرت امیر معاویہ رضؓ کے خلاف خود ساختہ الزامات کو ترتیب دے کر تاریخی کتب کے مصنوعی اور جھوٹے حوالے مرقوم کر دیئے۔ جب ان کے حوالہ جات کو دیکھنے کے لئے اصل کتابوں کو ملاحظہ کیا گیا تو سفید جھوٹ نکلا۔ ان کتابوں میں یہ حوالے تک بھی نہ تھے۔ ہمارے اس دعوے کی تصدیق کے لئے ملاحظہ فرمایئے حضرت امام اہلسنت مولانا سید نور الحسن بخاری مدظلہ کی تالیف (عادلانہ دفاع ہر دو جلد)

اور حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ کی تصنیف (حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق) اب آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟ اب تو صحابہ کرامؓ بھی ریسرچ اور تحقیق کا موضوع بنائے جا رہے ہیں۔ اس وبا عام کو ملاحظہ فرماتے ہوئے حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ نے ایک بہت ہی مفید رسالہ "مقام صحابہؓ" کے نام سے تصنیف فرمایا، جس میں لکھتے ہیں کہ:

بعض حضرات نے ایک طرف حضرت معاویہؓ اور انؓ کے بیٹے یزید کی تائید و حمایت کا نام لے کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور انؓ کی اولاد پورے بنی ہاشم کو ہدف تنقید بنا ڈالا اور اس میں صحابہ کرامؓ کے ادب و احترام تو کیا اسلام کے عادلانہ اور حکیمانہ ضابطہ تنقید کی بھی ساری حدود و قیود کو توڑ ڈالا، اس کے بالمقابل دوسرے بعض حضرات نے قلم اٹھایا تو حضرت معاویہؓ اور عثمان غنیؓ اور ان کے ساتھیوں پر اسی طرح کی جرح و تنقید سے کام لیا۔ نئی تعلیم پانے والے نوجوان جو علوم دین اور ادب دین سے ناواقف یورپ سے درآمد کی ہوئی نئی تہذیب کے دلدادہ ہیں وہ ان دونوں سے متاثر ہوئے اور ان کے حلقوں میں صحابہ کرامؓ پر زبان طعن دراز ہونے لگی اور صحابہ کرامؓ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امت مسلمہ کے درمیانی واسطہ ہیں ان کو دنیا کے عام سیاسی لیڈروں کی صف میں دکھایا جانے لگا جو اقتدار کی جنگ کرتے ہیں اور صرف اپنے اپنے اقتدار کے لئے قوموں کو گمراہ اور تباہ کرتے ہیں۔

خدانخواستہ اگر مسلمان صحابہ کرامؓ ہی کے اعتماد کو کھو بیٹھے تو پھر نہ قرآن پر اعتماد رہتا ہے نہ حدیث پر نہ دین اسلام کے کسی اصول پر، اس کا نتیجہ کھلی بے دینی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔" یہ سب ہوا جس نے ان حالات میں قلم اٹھانے پر مجبور کر دیا۔"

غور فرمائیے تاریخ کے راویوں کی وہ حیثیت تو ہرگز ہی نہیں ہو سکتی جو خود صحابہ کرامؓ کو حدیث میں روایت کی عظمت حاصل ہے، جس کے لئے ایک عظیم الشان فن "اسماء الرجال" بھی بطور کسوٹی کے موجود ہے۔ مگر دیکھئے امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ایک لاکھ صحیح حدیث اور دو لاکھ غیر صحیح مجھے یاد ہیں مگر جب صحیح بخاری کو ترتیب دیا تو مکرر احادیث کے علاوہ صرف چار ہزار حدیثیں درج فرمائیں۔ امام مسلمؒ فرماتے ہیں کہ میں نے تین لاکھ احادیث میں سے انتخاب کر کے اپنی کتاب صحیح لکھی ہے اور ان میں بھی مکرر حدیثوں کے علاوہ چار ہزار حدیثیں درج فرمائی ہیں۔ حضرت امام ابوداؤدؒ نے سنن مرتب کی ہے جس میں چار ہزار احادیث ہیں۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ میں مسند احمد کی احادیث کو سات لاکھ پچاس ہزار احادیث سے انتخاب کیا ہے۔ مگر کسی تاریخی کتاب کا خواہ وہ کتنا ہی مستند کیوں نہ ہو، اس کا یہ مقام ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اب قرآن و حدیث کو چھوڑ کر صرف تاریخ کا سہارا لے کر اگر صحابہ کرامؓ کو تنقید کا نشانہ بنایا جائے تو اپنے ایمان کو ضائع کرنے کے مترادف ہے۔

ہاں ابن کثیرؒ کی یہ بات بالکل درست ہے جو انہوں نے البدایہ میں نقل کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

فن تاریخ میں ان حضرات ناقدین نے بھی یہی مناسب سمجھا ہے کہ کسی واقعہ کے متعلق جتنی روایات ملتی ہیں سب کو جمع کر دیا جائے ان پر جرح و تعدیل اور نقد و تبصرہ اہل علم کے لئے چھوڑ دیا، مگر جن کے دلوں میں زیغ اور بغض تھا انہوں نے ان کو اپنا ماخذ بنا کر صحابہ کرامؓ کے مقام کا خیال نہ کرتے ہوئے چھوٹی بڑی کئی کتابیں لکھ ڈالیں ہیں۔ وقت کی حکومت کا فرض ہے کہ وہ ایسی سب کتابوں کو ضبط کر کے آئین میں صحابہ کرامؓ کے بلند مقام کا تعین کرے تاکہ قرآن و حدیث کے اول مخاطبین کو مسلم ممالک میں جائز مقام اور تحفظ حاصل ہو۔ ہماری مخلصانہ دعوت یہ ہے کہ انتشار میں ملک و ملت کو کافی نقصان پہنچا ہے اب اتحاد کی طرف عملی اقدام بڑھائیے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں بھی انہی پاک نفوس کے حالات نے ملک و ملت کو ترقی بخشی اور اب بھی ان کے نقش قدم کی پیروی ہی میں ملک و ملت ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکتا ہے۔ ہم نے اسی مقصد عظیم کے حصول کے لئے صحابہ کرامؓ کے حالات جمع کر کے قارئین حضرات تک پہنچانے کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کامیابی نصیب فرمائے۔ آمین۔

مناقب امیر معاویہؓ

اگرچہ بظاہر حضرت ابو عبدالرحمٰن امیر معاویہؓ نے ۸ھ فتح مکہ کے ایام میں مشرف بہ اسلام ہونے کا اعلان فرمایا مگر بسیار کوشش کے باوجود آج تک آپؓ کا کوئی دشمن بھی یہ نہیں دکھا سکا کہ آپؓ مسلمانوں کے ساتھ کسی جنگ میں بھی لڑے ہوں یا مسلمانوں کو کسی قسم کی کوئی ادنیٰ سی تکلیف دی ہو، وہ بالکل پاک و صاف تھے۔ افسوس ہے کہ آج اسلام

کے اس جری اور بہادر سپہ سالار کو دنیا صرف جنگ صفین کے ایک جنگجو کی حیثیت سے دیکھتی ہے، حالانکہ اگر خالی الذہن ہو کر آپؓ کی زندگی کے معمولات کا مطالعہ کیا جائے تو آدمی حیران ہو کر رہ جاتا ہے کہ اتنے عظیم الشان کارناموں کے ہیرو کو غلط اور جھوٹے الزامات کے باعث دنیا نے کس طرح آپ کو عجیب و غریب تضادات کا مجموعہ بنا رکھا ہے۔ مشرف باسلام ہونے کے بعد آپؓ ہمیشہ مستقلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں رہے۔ کتابت وحی کے اہم کام پر بھی آپ ایک عظیم رکن کی حیثیت سے مقرر تھے۔ جب وحی آتی تو آپؓ فوراً اس کو خوش خطی کے ساتھ مرقوم فرماتے؛ اور اس کے علاوہ خطوط وغیرہ کے لکھنے اور پڑھنے پر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کا انتخاب فرمایا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مقدس میں وحی کے لکھنے کا کام بڑی ذمہ داری کا کام تھا جس کے لئے بڑی دیانت و امانت کے حامل آدمی کی ضرورت تھی۔ یہ ذمہ داری حضرت معاویہؓ کو سونپ کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی:

"اے اللہ! معاویہؓ کو ہدایت
دینے والا اور ہدایت یافتہ
بنا دے۔" (ترمذی شریف)

ایک اور حدیث میں بھی آپ کے لئے آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بایں الفاظ دعا فرمائی تھی:

"اے اللہ تعالیٰ! معاویہؓ کو
حساب و کتاب سکھا اور اسے
عذاب سے محفوظ فرما۔"
(کنز العمال)

چنانچہ دعاؤں کے ساتھ ساتھ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی زندگی ہی میں حضرت امیر معاویہؓ کی خلافت کی پیشین گوئی فرمائی تھی اور اس کے لئے بھی دعا فرمائی تھی۔ خود بیان فرماتے ہیں کہ ایک بار میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وضو کا پانی لے کر گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا۔ وضو کے بعد میری طرف دیکھا اور فرمایا:

"اے معاویہؓ اگر تمہیں امارت مل جائے تو خدا خوفی کے ساتھ انصاف قائم کرنا۔"

حضرتؓ فرمایا کرتے تھے کہ یہ سننے کے بعد مجھے یقین ہو گیا تھا کہ مجھے ضرور مسلمانوں کا امیر اور خلیفہ بنایا جائے گا۔

ایک ضعیف روایت میں ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے کوئی مشورہ دریافت فرمایا۔ دونوںؓ نے عرض کیا کہ حضرت علیہ السلام ہماری فہم سے بالاتر ہے پھر ادعوا معاویۃ حضروہ امرکم فانہ قوی امین (تاریخ اسلام) کہ معاویہؓ کو بلاؤ اور یہ معاملہ ان کے سامنے پیش کرو وہ قوی ہیں (مشورہ دیتے ہیں) اور امین ہیں (غلط مشورہ ہرگز نہ دیں گے)۔

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ ایک بار حضرت معاویہؓ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سواری میں آپ علیہ السلام کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا:

"اے معاویہؓ! تمہارے جسم کا کونسا حصہ میرے جسم کے ساتھ لگ رہا ہے؟" عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا سینہ آپ علیہ السلام کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ یہ سنکر آپ علیہ السلام نے حضرت معاویہؓ کے لئے دعا دی:

اللھم املاہ علما۔ اے
اللہ معاویہؓ کے سینے کو علم کے
ساتھ بھر دے" (تاریخ اسلام)

۸ھ کے بعد جتنے غزوات مسلمانوں نے لڑے ہیں حضرت معاویہؓ ان میں شریک رہے۔

ایک طویل حدیث میں خلفائے راشدین عشرہ مبشرہ صحابہؓ کے فضائل کے ساتھ حضرت معاویہؓ کے لئے یوں الفاظ درج ہیں:

"میرے صاحب اسرار میں سے معاویہؓ ابن ابی سفیانؓ بھی ہیں جس نے ان سے تمام سے محبت کی وہ نجات یافتہ ہے اور جس نے ان سے بغض رکھا وہ ہلاک ہو گیا۔"

منقول ہے کہ عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک بار نبی علیہ السلام اپنی زوجہ ام المؤمنین ام حبیبہؓ (ہمشیرہ معاویہؓ) کے پاس تشریف لے گئے تو ملاحظہ فرمایا معاویہؓ موجود ہیں اور ام المؤمنین انہیں چوم رہی ہیں۔ آپ علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ اے ام حبیبہؓ کیا تم معاویہؓ سے محبت کرتی ہو؟ فرمایا حضرت علیہ السلام یہ میرا بھائی ہے اور مجھے اس سے قلبی محبت ہے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا اللہ اور اللہ کا رسول علیہ السلام بھی معاویہؓ سے محبت کرتے ہیں۔ شرح بخاری میں معاویہؓ کو بڑے مناقب اور فضائل اور خوبیوں والا بتایا گیا ہے۔ شرح مسلم میں ہے کہ امیر معاویہؓ عدل والے افضل اور بہترین صحابہؓ میں سے ہیں۔

صحابہؓ کی نظر میں

ام المؤمنین بی بی عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ ایک دن حضور علیہ السلام حضرت ام حبیبہؓ کے گھر تشریف فرما تھے کہ اتنے میں حضرت امیر معاویہؓ حاضر ہوئے آپؓ کے کان میں قلم رکھا ہوا تھا۔ حضور علیہ السلام نے پوچھا کہ یہ قلم کیسا ہے؟ عرض کیا کہ میں نے یہ قلم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لئے تیار کیا ہے تو حضرت علیہ السلام بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ وہ وقت کیسا ہو گا جب اللہ تعالیٰ تمہیں قمیص پہنائے گا۔ (ابن کثیر)

ایک بار حضرت فاروق اعظمؓ کے سامنے کسی نے حضرت معاویہؓ کی برائی کی تو فرمایا کہ قریش کے اس جوان کی برائی مت کرو جو غصے کے وقت بھی ہنستا ہے اور بھی کئی تعریفی الفاظ فرمائے۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضور علیہ السلام کے ساتھ تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس گھاٹی سے ایک شخص اہل جنت میں سے آئے گا، پس ناگاہ حضرت معاویہؓ آ گئے۔

(خلفائے سلام)

حضرت ابن عباسؓ سے ایک فقہی مسئلہ میں حضرت معاویہؓ کی شکایت کی گئی تو آپؓ نے فرمایا: انہ فقیہ، حضرت معاویہؓ فقیہ ہیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس شخص کو ڈانٹ دیا اور فرمایا کہ معاویہؓ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں اس پر اعتراض غلط ہے۔ (بخاری)

حضرت عمیر بن سعدؓ کا قول ترمذی شریف میں یوں موجود ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے عمیر بن سعدؓ کو حمص کی گورنری سے معزول کر دیا اور ان کی جگہ حضرت امیر معاویہؓ کو مقرر فرمایا تو چند لوگوں نے اعتراض کیا تو خود حضرت عمیر بن سعدؓ نے ان لوگوں کو ڈانٹ کر کہا: "معاویہؓ کا صرف بھلائی کے ساتھ ذکر کرو کیونکہ میں نے نبی کریم علیہ السلام کو اس کے متعلق یہ دعا دیتے ہوئے سنا ہے اے اللہ اس کے ذریعہ سے ہدایت نصیب فرما۔

سیدنا حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جو عشرہ مبشرہ سے ہیں اور غیر جانبدار ہیں فرماتے تھے کہ میں نے حضرت عثمانؓ کے بعد کسی کو معاویہؓ سے بڑھ کر حق کا فیصلہ کرنے والا نہیں پایا۔ (ابن کثیر)۔ تابعین بھی آپؓ کی عزت و احترام کرتے تھے چنانچہ منقول ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے دور خلافت میں کسی کو بھی کوڑوں کی سزا نہیں دی مگر ایک شخص کو کوڑوں کی سزا اس لئے دی کہ وہ حضرت معاویہؓ کی ہجو کرتا تھا۔ (ابن کثیر) نیز حافظ ابن کثیرؒ سے منقول ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے جو مشہور تابعی ہیں کسی نے دریافت کیا کہ عمر بن عبدالعزیزؒ افضل ہیں یا امیر معاویہؓ؟ تو حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کو سخت غصہ آ گیا اور آپ نے فرمایا تم ان دونوں کی آپس میں نسبت دریافت کرتے ہو؟ خدا کی قسم میرے نزدیک وہ مٹی جو حضرت نبی کریم علیہ السلام کے ہمراہ جہاد کرتے ہوئے حضرت معاویہؓ کی ناک کے سوراخ میں چلی گئی تھی وہ بھی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے افضل ہے۔ اسی قسم کا ایک اور سوال حضرت معافی بن عمرانؒ سے بھی کیا گیا تھا تو وہ بھی یہ سوال سن کر سخت غصے میں آ گئے تھے اور فرمایا: بھلا ایک تابعی کسی بھی صحابیؓ کے برابر ہو سکتا ہے؟ حضرت معاویہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیؓ ہیں۔ آپؓ کی بہن (حضرت ام حبیبہؓ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں تھیں۔ انہوں نے وحی خداوندی کی کتابت کی۔ بھلا کوئی تابعی کسی صحابیؓ کے مقام کو کیسے پہنچ سکتا ہے؟ غرضیکہ صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کی نظروں میں بھی آپؓ کی غیر معمولی قدر و قیمت تھی جسے اس مختصر مضمون میں لکھنے کی گنجائش نہیں۔

علیؓ و معاویہؓ کے مابین اختلاف تھا مخالفت نہ تھی:

جن لوگوں نے حضرت امیر المومنین علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کی اس لڑائی کو بہانہ بنا کر ان دونوں مقدس صحابیوں کو ایک دوسرے کا دشمن اور مخالف قرار دیا ہے انہوں نے سخت غلطی کی ہے۔ انکی یہ غلطی اگر غلط فہمی پر مبنی ہے تو اللہ تعالے غفور الرحیم ہے، اور اگر صرف اپنے شکمی مسئلہ کے لئے یہ طوفان اٹھایا ہے تو اللہ تعالے شدید العقاب ہے۔ ہم اپنے اس مختصر سے مضمون میں اب جانبین یعنی حضرت مولیٰ علیؓ شیر خدا اور حضرت کاتب وحی امیر معاویہؓ کی اپنی اپنی طرف سے جو اظہار ہوا ہے اسے تحریر کرتے ہیں تاکہ یہ واضح حقیقت کھل کر آپ کے سامنے آ جائے کہ ان دونوں صحابیوںؓ کے درمیان اختلاف تو تقریباً زندگی بھر رہا مگر مخالفت یا دشمنی ایک لمحہ کے لئے بھی انؓ کے مبارک سینوں میں نہیں ہوئی۔ ان دونوں کے حق میں نبی کریم علیہ السلام کی دعائیں مروی ہیں۔ دونوں قریش ہیں۔ دونوں حضرت نبی کریم علیہ السلام کے رشتہ دار تھے۔ دونوں کا اختلاف حصول خلافت کے لئے نہیں تھا بلکہ حضرت عثمان غنیؓ کے قصاص لینے میں دونوں کی رائے مختلف تھی اور دونوں مجتہد تھے، معصوم کوئی بھی نہ تھا ہاں معذور و مقبول دونوں تھے۔ روایت ہے کہ ایک بار حضرت امیر معاویہؓ نے فرمایا کہ جو کوئی حضرت علی المرتضیٰؓ کی شان میں مجھے کوئی قصیدہ سنائے تو میں اس کو فی شعر ایک ہزار دینار دوں گا۔ چنانچہ چند لوگوں نے حضرت علی المرتضیٰؓ کے فضائل میں اشعار پڑھے اور حسب وعدہ انعام لیا۔ یہ بھی منقول ہے کہ جب شعرائے کرام حضرت علیؓ کے حق میں شعر پڑھتے تو حضرت امیر معاویہؓ بڑی فراخدلی سے فرماتے کہ علیؓ اس سے بھی افضل ہیں۔ ایک شاعر نے ایک شعر پڑھا جس کا ترجمہ یہ ہے:

"حضرت علیؓ بڑی خیر والے ہیں۔
نوح علیہ السلام کی کشتی ہیں۔ اللہ
کا دروازہ ہیں۔"

حضرت معاویہؓ نے اس شعر کو سن کر شاعر کو سات ہزار دینار دیے۔ حضرت معاویہؓ کی خدمت میں ایک بار حضرت علیؓ کے ایک ساتھی ضرار اسدی حاضر ہوئے تو حضرت معاویہؓ نے باصرار ان کو کہا کہ مجھے حضرت علیؓ کے اوصاف حمیدہ سنائیں۔ اس نے انکار کیا مگر آپؓ نے سخت تاکید کی تو اس نے بیان کیا کہ:

"امیر المومنین! وہ نہایت بلند

عزائم کے مالک تھے اور بڑے قوی ارادے کے انسان تھے۔ بہت سوچ کر اور نہایت غور سے جس بات پر قائم ہو جاتے تھے پھر ان سے نہ ہٹتے تھے خواہ کتنی مشکلات پیش آئیں۔ انؓ کا کلام باعزم بہت مختصر لیکن بہت جامع ہوتا تھا، کیونکہ وہ کوئی لفظ بغیر سوچے سمجھے نہیں بولتے تھے۔ ان کے فیصلے نہایت عادلانہ اور نہایت عاقلانہ ہوتے تھے۔ مقدمہ کا فیصلہ کرنے میں وہ کسی پر نہ ظلم کرتے تھے نہ زیادتی۔ ان کی ہر بات سے حکمت پھوٹتی تھی اور ان کے ہر قول سے دل کو فرحت حاصل ہوتی تھی۔ وہ ہمیشہ دُنیا اور ان کی دلچسپیوں سے الگ تھلگ رہتے تھے۔ رات کی تاریکی انکو مرغوب تھی، کیونکہ وہ اس میں اپنے معبود حقیقی کے آگے بڑی توجہ اور انہماک کے ساتھ جُھکے رہتے تھے۔ وہ نہایت عبرت پذیر دل اور بہت غور و فکر والا دماغ رکھتے تھے۔ ان کا لباس ادنیٰ ہوتا تھا اور خوراک معمولی۔ انہوں نے کبھی اپنے ساتھیوں میں اپنے آپ کو نمایاں کرنے کی کوشش نہیں کی وہ ہم سے بہت اعلیٰ و ارفع ہونے کے باوجود ہمارے درمیان بہت بے تکلفی کے ساتھ رہتے تھے۔ ہم بڑی آزادی کے ساتھ جو کچھ چاہتے تھے اُن سے پُوچھتے اور وہ بغیر اپنی بڑائی کا خیال کئے نہایت سادگی کے ساتھ ہم سے باتیں کرتے رہتے تھے۔ لیکن اس بے تکلفی کے باوجود انکی ہیبت اور ان کا وقار اتنا زیادہ تھا کہ ہمیں آزادی کے ساتھ ان کے سامنے بولنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ وہ متقی اور پرہیزگار انسان کی قدر کرتے تھے اور غرباء کے ساتھ نہایت محبت سے پیش آتے تھے۔ ان کے حضور میں ظالم ڈرتا ہوا آتا تھا خواہ وہ کتنا ہی بڑا آدمی ہو اور مظلوم ان کے انصاف سے محروم نہیں جاتا تھا خواہ وہ کتنا ہی چھوٹا آدمی ہو۔ میں نے ان کو تاریک راتوں میں چھپتے ہوئے تاروں کی چھاؤں میں بارہا اشکبار آنکھوں کے ساتھ یہ کہتے ہوئے سُنا ہے کہ اے مردار دنیا جا کسی اور کو فریب دے، میں کبھی تیرے بس میں نہیں آؤں گا۔ اے مردار میں تجھے تین طلاقیں دے چکا ہوں اور کبھی تیری طرف رجوع نہیں کروں گا کیونکہ تیرا اندرون گندگی سے اور تیرا بیرون لعنتوں سے بھرا ہوا ہے۔ تیری عمر قلیل ہے اور تیرا وجود عارضی ہے، پھر میں تجھ سے کیوں دل لگاؤں؟ اے میرے خدا میرا سفر طویل ہے اور میرا توشہ نہ ہونے کے برابر، میرا راستہ کٹھن ہے اور میری راہ دشوار گذار، پس اے میرے آقا اور اے میرے مالک مجھے اپنے فضل و کرم سے پار پہنچا دے کیونکہ تیری اعانت اور تیری نصرت کے بغیر میں منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔"

ضرار اسدیؓ کی زبان سے یہ جملے حضرت علی المرتضیٰؓ کے حق میں سن کر حضرت معاویہؓ آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا اللہ تعالے حضرت ابوالحسن (علیؓ) پر رحم فرمائے وہ واقعی ایسے ہی تھے جیسا کہ تم نے بیان کیا ہے (بحوالہ دس بڑے مسلمان)۔ ملاحظہ فرمایا جو تاریخ والے بیان کرتے ہیں کہ معاویہؓ اور علیؓ باہم دشمن تھے۔ ایک دوسرے کے مخالف تھے (العیاذ باللہ) یہ حکم دے رکھا تھا کہ جمعہ کے خطبوں میں علیؓ کو بُرا بھلا کہا کرو، اس معاویہؓ کے علی المرتضیٰؓ کے حق میں حقیقتاً کیا خیالات ہیں۔ نیز جب حضرت معاویہؓ کو حضرت علیؓ کی شہادت کی خبر پہنچی تو آپؓ چیخیں مار مار کر رونے لگے۔ اہلیہؓ نے پوچھا کہ آپ تو حضرت علیؓ سے لڑتے رہے اور اب رو رہے ہو؟ جواباً فرمایا تم نہیں جانتیں کہ حضرت علیؓ کی وفات سے فقہ اور علم دنیا سے رخصت ہو گیا ہے۔ اور بھی بہت سے ایسے حالات ہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کے فضائل بیان کئے ہیں، اور لوگوں سے آپؓ کے فضائل بیان کرا کر اپنے دل کو فرحت اور خوشی پہنچاتے رہے ہیں۔ اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت امیر معاویہؓ کی تعریف اور فضائل بیان کئے ہیں جو ہم انشاء اللہ تعالےٰ اگلی قسط میں بیان کریں گے۔

(باقی)

خوشخبری

ہم اپنے کرمفرماؤں کو یہ خوشخبری سُناتے ہوئے فخر محسوس کر رہے ہیں کہ ہم موٹر سائیکل کاواساکی۔ یاماہا سوزوکی اور ہنڈا کے مختلف سائز میں

کیریئر

مارکیٹ میں لا رہے ہیں۔ اپنے آرڈر سے جلد مطلع فرمائیں۔ سالہا سال سے سائیکلوں کے خوبصورت اور پائیدار سٹینڈ کیریئر پیش کرنے والے

پروپرائٹر:۔ محمد نسیم بھٹی

الفرید سٹیل پروڈکشن

پاکپتن روڈ، عارف والا، ساہیوال

المرسل : عبد الرحمٰن جامی النقشبندی

جلالپور پیروالہ ' ضلع ملتان

ارشاداتِ خواجہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم مؤمنوں کو آپس میں رحم محبت اور مہربانی کرنے میں یوں دیکھو کہ گویا وہ ایک جسم ہیں۔ اور جسم کے کسی ایک حصے کو تکلیف ہو تو سارا جسم بے خوابی اور بخار میں اس کا ساتھ دیتا ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن۔ مؤمن کے لئے ایک عمارت کی طرح ہے جس کا ہر حصہ دوسرے حصے کو مضبوط بناتا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں داخل کر کے بتایا یوں۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا کہ جو مسلمان اپنے بھائی کی عزت کی حفاظت کرتا ہے اللہ تعالیٰ پر اس کا یہ حق ہو جاتا ہے کہ قیامت کے دن اسے جہنم کی آگ سے بچائے۔ پھر آپ نے آیت پڑھی جس کا ترجمہ یہ ہے :

"اور مومنوں کی امداد ہمارے ذمہ لازم ہے۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ انسان مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لئے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

سرور کائنات فخر دو عالم سرتاج الانبیاء نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں فرمایا۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ نے تم پر ایک دوسرے کی جان و مال کو ایسے ہی حرام کر دیا ہے جیسے تمہارا یہ دن یہ شہر اور یہ مہینہ حرمت والا ہے۔ سنو کیا میں نے تم تک پہنچا دیا۔ لوگوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے پہنچا دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ یہ الفاظ دہرائے۔ اے اللہ گواہ رہنا یاد رکھو میرے بعد دوبارہ اس طرح کفر نہ کرنے لگنا کہ تم ایک دوسرے کی گردن اڑانے لگو۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن، مومن کا آئینہ ہے اور مومن، مومن کا بھائی ہے۔ وہ اسے نقصان دہ چیز سے بچاتا اور اس کی غیر حاضری میں اس کی حفاظت کرتا ہے۔

خاتم النبیین والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے اور جو اپنے بھائی کی حاجت روائی میں مصروف ہو گا اللہ اس کی حاجت روائی کرے گا اور جو کسی مسلم بھائی کی تکلیف دور کرے گا اور جو کسی مسلمان کے عیب پر پردہ ڈالے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عیوب کسی پر ظاہر نہ ہونے دیگا۔

ایک آدمی دربارِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا اور کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے اچھے سلوک کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری ماں۔ اس نے عرض کیا پھر کون! آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ پھر تمہاری ماں۔ اس نے تیسری مرتبہ کہا کہ پھر کون۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ پھر تمہارا باپ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی رضا باپ کی رضا میں ہے اور اللہ کی ناراضی باپ کی ناراضگی میں ہے۔ ایک آدمی نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماں باپ کا حق اپنی اولاد پر کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ تیرے لئے جنت بھی ہیں اور دوزخ بھی، ان کی رضا میں جنت ہے اور ان کی ناراضگی میں دوزخ۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس زمانے میں قریش اور مسلمانوں میں معاہدہ تھا میری (مشرک) ماں میرے پاس آئی۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میری ماں آئی ہے اور وہ اسلام سے رغبت نہیں رکھتی۔ کیا میں اس سے سلوک کر سکتی ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں اس سے سلوک کرو۔

ایک آدمی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا والدین کے ساتھ حسن سلوک میں سے کوئی چیز ایسی بھی ہے جو ان کی موت کے بعد میں ان کے ساتھ کر سکوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں ان کے لئے دعا کرنا، اللہ سے ان کی بخشش چاہنا۔ ان کی وجہ سے رشتہ داروں سے سلوک کرنا اور ان کے دوستوں کی تعظیم کرنا۔

حضرۃ ابوالطفیل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے دیکھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم جعرانہ (ایک جگہ کا نام ہے) میں گوشت تقسیم فرما رہے تھے کہ ایک عورت آئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچ گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے اپنی چادر بچھا دی اور وہ اس پر بیٹھ گئی۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی ماں ہیں۔

عبد اللہ بن عمرو سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم کرتا ہے۔ تم ان پر رحم کرو جو زمین پر ہیں۔ تم پر وہ رحم کرے گا جو آسمان پر ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

المرسل: (قاری) نصیر الدین سواتی
مانسہرہ

سنہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے جانبازانِ حریت کا ایک باب

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب فاروقی تھانویؒ جو بعد میں شیخ العرب والعجم اور قطب العالم تسلیم کئے گئے' ۱۲۳۳ھ مطابق ۱۸۱۸ء میں نانوتہ میں پیدا ہوئے جہاں آپ کی ننھیال تھی۔ آپ کی فطری صلاحیتوں کے متعلق حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کا بیان ہے۔ آپ کی طبیعت عالمانہ رنگ کی نہ تھی: امیر شہید حضرت سید احمدؒ سے ملتی جلتی طبیعت رکھتے تھے۔ اسی لئے وہ سید صاحب کا نمونہ تھے۔

تعلیم:

ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں پائی۔ پھر آپ دہلی تشریف لے گئے۔ دہلی کے بہت سے مکتبوں اور مدرسوں میں مولانا نصیر الدین صاحب دہلویؒ کی بھی ایک درسگاہ تھی جہاں علم ظاہر کے ساتھ عشق و معرفت کا درس بھی دیا جاتا تھا۔ نوجوان امداد اللہ درجہ وسطیٰ کی کتابیں پڑھ رہا تھا کہ مولانا نصیر الدین صاحبؒ کے جہادی قافلے نے اپنا کوچ شروع کر دیا۔ ۳ ذی الحجہ ۱۲۵۰ھ مطابق ۱۲ اپریل ۱۸۳۹ء حضرت استاذ کے اس سفر نے دل و دماغ پر ایسا اثر کیا کہ کتابوں کی ورق گردانی بار معلوم ہونے لگی، البتہ حساس فطرت نے حضرت استاذ کے پاک اور مقدس جذبات سے جو سبق لیا تھا وہ عمر بھر فراموش نہ ہوا۔

مکتبِ عشق کا دستور نرالا دیکھا
اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

صرف پانچ سال ہی گذرے تھے کہ حضرت سید نصیر الدین صاحب دہلویؒ ۱۲۵۶ھ، ۱۸۴۰ء میں خدا کو پیارے ہوئے اور ان کے خسر حضرت شاہ اسحاق صاحب دہلویؒ نے سفر ہجرت اختیار کر کے مکہ معظمہ کو تحریک کا مرکز بنا لیا۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی تحقیق کے بموجب اگرچہ اب مرکز مکہ معظمہ ہو گیا تھا جہاں ترکوں اور ان کے حلیفوں سے مدد لے کر ہندوستان کی تحریک حریت کو کامیاب بنایا جا سکتا تھا لیکن ہندوستان کے سیاسی مرکز دار السلطنت میں ایک نظام کے قائم رکھنے اور ترقی کی بھی بھی ضرورت تھی جس کے لئے پہلے مولانا مملوک علی کی زیر صدارت ایک بورڈ بنایا گیا جس کے خصوصی ارکان مولانا قطب الدین صاحب دہلویؒ، مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلویؒ اور مولانا عبد الغنی صاحب دہلویؒ تھے اور رجب ۱۲۶۰ھ میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب پہلی بار حج بیت اللہ شریف کے لئے تشریف لے گئے تو مولانا شاہ اسحٰق صاحبؒ نے حاجی امداد اللہ صاحبؒ کو ہی امیر مقرر فرما دیا۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ اپنی مشہور تصنیف تمہید میں فرماتے ہیں۔ امیر جماعت حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ جو ۱۲۶۰ھ میں وطن سے روانہ ہوئے تھے ۱۲۶۱ھ میں مکہ معظمہ پہنچے۔ حضرت شاہ اسحٰقؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے تحریک کا لائحہ عمل اور پروگرام معلوم کیا۔ پھر ۱۲۶۲ھ میں ہندوستان واپس آئے۔ وہ لوگ جو اس سلسلے سے وابستہ تھے انہوں نے حضرت حاجی صاحبؒ کو اپنے تعلقات کا مرکز بنا لیا۔ اکابر اہل علم مثلاً حضرت مولانا محمد قاسم صاحب صاحب نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا فیض الحسن سہارنپوریؒ اور ان کے علاوہ علمائے ہند کی جمع کبیر (ایک بڑی جماعت) آپ کے گرد جمع ہو گئی۔ پس یہ جماعت جو حضرت شاہ ولی اللہؒ کی جماعت کہلانے کی صحیح طور پر مستحق تھی۔ جیسے ہی رمضان شریف کے آخر میں اس کو دہلی کے انقلاب کی خبر دی گئی تو غور و خوض کا ایک اہم موضوع اس کے سامنے آیا جس کے لئے ہنگامی اجلاس ضروری تھا۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے حضرت مولانا محمد یعقوبؒ جو ان دنوں بہاولپور میں تھے اُن کو وہاں سے طلب کیا گیا۔

تنظیم نو یا تشکیل حکومت

یہ لشکر احرار سالہا سال سے حریت کاملہ اور مکمل آزادی کی تمنائیں دلوں میں لئے ہوئے تھے۔ ان کے لئے یہ بات نہایت ہی تکلیف دہ اور افسوسناک تھی کہ ایسے وقت جبکہ فضا اسقدر ہموار اور ماحول اتنا سازگار ہو وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے خاموش بیٹھے رہیں اور موسم کی خوشگوار تبدیلی سے کچھ بھی فائدہ نہ اٹھائیں لیکن جس شریعت غرّا اور جس پاک تعلیم کی روشنی میں قدم آگے بڑھایا جائے وہ ضبط و تنظیم سنجیدگی اور قانون کی پوری پابندی کے ساتھ آگے بڑھے۔ بہرحال اس پہلے اجتماع میں اتنا کام تو کر لیا گیا کہ وہ جماعتی تنظیم جو اب تک ایک اصلاحی یا سیاسی پارٹی کی حیثیت رکھتا تھا اب اس کو نظام حکومت کی شکل دے دی گئی۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ امیر مولانا محمد قاسم صاحبؒ اور مولانا رشید احمد صاحبؒ، حافظ ضامن صاحبؒ

مولانا محمد منیر صاحبؒ جیسے زعماء اور اکابر کو فوج، حفاظت، فصل خصومات اور عدل و قانون وغیرہ کے شعبے سپرد کئے گئے اور اس موقع پر یہ بھی ضروری سمجھا گیا کہ خود بادشاہ کو بھی نظم و ضبط قائم کرنے اور اس جیسے نظام میں داخل ہونے کا مشورہ دیا جائے۔ چنانچہ نواب شبیر علی مراد آبادی کو جو بادشاہ کے منہ چڑھے اور بے تکلف مصاحب تھے اسی مقصد کے لئے دہلی بھیجا گیا۔ شاہ حسن عسکری جو بادشاہ کے پیر اور اس تحریک کے ایک ممتاز رکن بلکہ بانی اور محرک اوّل کی حیثیت رکھتے تھے اسی علاقہ کے رہنے والے تھے اور ان بزرگوں سے خاندانی روابط بھی رکھتے تھے۔ ان کے ذریعے سے بھی تحریک کی باگ موڑی جا سکتی تھی۔ بہرحال مقامی یا علاقائی حیثیت میں آئین اور دستور کے مطابق حکومت کا ایک نظام زیر قیادت حاجی امداد اللہ صاحبؒ رمضان شریف کے فوراً بعد مئی کے آخر یا اوائل جون میں تھانہ بھون میں قائم ہو گیا۔ لیکن کوئی اقدام اسوقت مناسب نہیں سمجھا گیا جب تک مرکز میں ایک صالح نظام وجود پذیر نہ ہو۔ اور اس علاقائی نظام کا رابطہ اس مرکزی نظام سے منسلک نہ ہو جائے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ وغیرہ پر برطانوی حکومت نے فساد کا الزام لگایا اور ان بزرگوں نے اس سے انکار کیا۔ ان کا انکار بالکل صحیح تھا کیونکہ انہوں نے فساد میں قطعاً حصہ نہیں لیا البتہ فساد کی صورت ختم ہونے کے بعد جب منظم جہاد کی شکل پیدا ہوئی تو اس جہاد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ جہاد فساد نہیں ہوتا بلکہ قاطع فساد ہوتا ہے۔ ۲ جولائی ۱۸۵۷ء کو جنرل بخت خاں اپنی منظم اور باضابطہ فوج لے کر دہلی پہنچ گئے۔ مولانا سرفراز علی صاحبؒ امیر جماعت کی حیثیت سے ان کے ساتھ تھے بلکہ جنرل مذکور کی سرپرستی اور رہنمائی فرما رہے تھے۔ جنرل بخت خاں نے صرف فوجوں کو ہی منظم نہیں کیا بلکہ نظم و ضبط کو بھی معیار پر لانے کی کوشش کی جو اسلامی تعلیم کے لحاظ سے ضروری ہے اور ایسے مواقع پر جو شرعی مطالبات ہو سکتے ہیں ان کو پورا کرنے کے لئے جامع مسجد دہلی میں علمائے کرام کا اجتماع کیا۔ اس وقت کے حالات کے بموجب دہلی میں ایک صالح نظام قائم ہو گیا۔ علمائے کرام اور رہنمایان ملت نے غور و خوض کے بعد جہاد کا فتویٰ صادر کر دیا۔ اب ممکن ہو گیا کہ اس علاقہ کے امیر حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ اقدام کا فیصلہ صادر فرمائیں (بیان حضرت مدنیؒ)

حضرت مولانا سید حسین احمد صاحبؒ امیر جہاد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کی زیارت سے مشرف اور فیضیاب ہوتے ہیں۔ مکہ معظمہ میں کچھ عرصہ آپؒ کی خدمت میں بھی رہے ہیں۔ امام ربانی حضرت رشید احمد گنگوہیؒ کے خلیفہ مجاز ہیں۔ ایک رازدار خادم کی حیثیت سے عرصہ تک ان کی خدمت میں باریاب رہے ہیں اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ جو حضرت نانوتوی کے نہایت محبوب و مقرب شاگرد تھے اور اپنی مجاہدانہ فطرت کی وجہ سے جہادی کاروبار کے امین و معتمد اور واقف اسرار تھے حضرت مدنیؒ کو جس درجہ آپ سے تقرب رہا ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ مولانا مدنیؒ نے حضرت شیخ الہند کی آغوش شفقت میں تربیت پائی اور پھر ایک فداکار رفیق کی حیثیت سے سفر و حضر انہا یہ کہ قید و بند میں بھی عرصہ دراز تک ہمدم و ہمراز رہے۔ لہذا ۱۸۵۷ء کے اس معرکے سے متعلق حضرت مدنیؒ کا بیان چشم دید شہادت کی حیثیت رکھتا ہے۔ مشاورتی اجتماع میں حضرت نانوتویؒ اور حضرت شیخ محمد صاحبؒ کے درمیان جو گفتگو ہوئی اس کی نقل کرنے کے بعد حضرت مدنیؒ تحریر فرماتے ہیں:

پھر جہاد کی تیاری شروع ہو گئی اور اعلان کر دیا گیا۔ حضرت حاجی صاحبؒ کو امام مقرر کیا گیا اور حضرت نانوتویؒ کو سپہ سالار افواج قرار دیا گیا اور حضرت گنگوہیؒ کو قاضی بنایا گیا اور مولانا محمد منیر صاحب نانوتویؒ اور حافظ ضامن صاحبؒ میمنہ اور میسرہ داہنے بازو اور بائیں بازو کے افسر مقرر کئے گئے۔ چونکہ اطراف و جوانب میں مذکورہ بالا حضرات کے تقویٰ، علم و تصوف اور تشرع کا بہت زیادہ شہرہ تھا۔ ان حضرات کے اخلاص و للہیت سے لوگ بہت زیادہ متاثر تھے۔ ہمیشہ سے ان کی دینداری اور خدا ترسی دیکھتے رہے تھے اس لئے ان پر بہت اعتماد کرتے تھے۔ علاوہ مریدین اور تلامذہ کے عام لوگ بھی بے حد معتقد تھے اس لئے بہت تھوڑی مدت میں جوق در جوق لوگوں کا اجتماع ہونے لگا۔ اسوقت تک ہتھیاروں پر پابندی نہ تھی۔ عموماً لوگوں کے پاس ہتھیار تھے جن کو رکھنا اور سیکھنا مسلمان ضروری سمجھتے تھے، مگر ہتھیار پرانی قسم کے تھے۔ بندوقیں توڑے دار تھیں کارتوسی رائفلیں نہ تھیں۔ یہ صرف انگریزی فوجوں کے پاس تھیں۔ مجاہدین ہزاروں کی تعداد میں جمع ہو گئے اور تھانہ بھون اور اطراف میں حکومت قائم کر لی گئی اور انگریزوں کے ماتحت حکام نکال دیے گئے۔ خبر آئی کہ توپخانہ سہارنپور سے شاملی کو بھیجا گیا ہے ایک پلٹن لاری ہے۔ رات کو یہاں سے گزرے گی۔ اس خبر سے لوگوں میں تشویش ہوئی کیونکہ ہتھیار ان مجاہدین کے پاس تھے۔ وہ تلوار توڑے دار بندوقیں اور برچھے وغیرہ تھے مگر توپ کسی کے پاس نہیں تھی۔ توپخانہ کا مقابلہ کس طرح کیا جائے گا۔ حضرت رشید احمد گنگوہی نے فرمایا فکر نہ کرو۔ سڑک ایک باغ کے کنارے سے گزرتی تھی۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو تیس یا چالیس مجاہدین پر حضرت حاجی صاحبؒ نے افسر مقرر کر دیا تھا۔ آپؒ اپنے ماتحتوں کو لے کر باغ میں چھپ گئے اور سب کو حکم کیا کہ پہلے سے تیار رہو۔ جب میں حکم کروں سب فائر کرنا۔ چنانچہ جب پلٹن معہ توپ خانہ باغ کے سامنے پہنچی تو سب نے ایکدم فائر کر دیا۔ پلٹن گھبرا گئی کہ خدا جانے کسقدر آدمی یہاں چھپے ہوئے ہیں۔ توپخانہ چھوڑ کر

باقی صفحہ ۲۸ پر

دِلسوز محمد نعیم ترین

ہندوستان کے انگریزی دور کی تاریخ جرم و سزا

ذات پات کا خاتمہ:

یہاں ذات پات کی بیماری اور قوم کی پابندی کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا جس بیماری میں ہندوستان پھنسا ہوا ہے۔ مسلمان مرد خواہ کسی ذات کا ہو ہر عورت سے بلا روک ٹوک شادی کر لیتا ہے۔ اسی طرح ہندو بھی ہر ایک ذات کی ہندو عورت سے شادی کر لیتا ہے برہمنوں کے گھر میں پاسنیں اور جاٹوں کے گھر میں برہمنیاں موجود ہیں۔

چیف کمشنر کے اختیارات:

یہاں کا چیف کمشنر سیشن جج بھی ہوتا ہے اور اس کا حکم ناطق سمجھا جاتا ہے۔ یہی ہائی کورٹ کے اختیارات رکھتا ہے۔ جو ایکٹ چاہتا ہے جاری کرتا ہے، اور جس حاکم کو چاہتا ہے وہ اختیار دیتا ہے۔ اس کے حکم کے بغیر کوئی آدمی ٹاپو سے نہ باہر جا سکتا ہے اور نہ آسکتا ہے۔ مال واسباب کی بھی یہی صورت ہے۔ اس کے قواعد ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں۔ آجکل یہ جزیرے جاپان کے قبضہ میں ہیں۔

تحریک وہابیان:-

اس کا زور ۱۸۶۳ء میں تھانیسر سے شروع ہوا اور ہندوستان کے مختلف ممالک میں گرفتاریاں عمل میں آئیں اور لوگ لمبی لمبی سزائیں پاکر دائم الحبس کئے گئے۔ یہ سلسلہ دس سال یعنی ۱۸۷۲ء تک جاری رہا۔ چیمبرلین صاحب اس دار دیگر وہابیوں کے کمشنر تھے۔ اور راولپنڈی اس کا صدر مقام تھا۔ چیمبرلین صاحب کی وفات کے بعد یہ حکم محکم کر دیا گیا تھا۔ اس تحریک میں مولوی نذیر حسین صاحب محدث دہلوی کو بھی دہلی سے راولپنڈی طلب کیا گیا تھا تاکہ ان سے ہندوستان کے اہل حدیثوں کے نام معلوم کئے جائیں۔ چیمبرلین صاحب کی موت کی وجہ سے مولانا کو بھی رہائی ملی اور وہ خیریت سے دہلی تشریف لائے۔

ٹھگ اور زہر دینے والے:

ہندوستان میں ٹھگ اور زہر دینے والوں کی مجرمانہ حرکتیں عہد بعید سے چلی آتی تھیں جو تمام ہندوستان میں مشترک مقاصد کے ماتحت ایک وسیع برادری کی شکل میں منظم کی گئی تھیں۔ اس خطرناک سازش سے ملک کا کوئی صوبہ محفوظ نہ رہ سکا تھا۔ ہر ایک صوبہ کی فضا مکدر ہو چکی تھی۔ چنانچہ سی پی بنگال، مدراس، بمبئی، یو پی۔ سندھ، پنجاب کی کسی سڑک کا راستہ ایسا نہ تھا جو ان ٹھگوں کے وجود سے خالی ہو، اور انسانی لاشیں بیدردانہ طریقہ سے گلے گھٹی ہوئی پڑی نہ ہوں۔

ٹھگی کے طریقے:

یہ ٹھگ مختلف قسم کے چولے بدل کر اپنا مقصد پورا کر لیتے تھے اور ان کا کام یہ ہوتا تھا کہ قصبات میں مسافروں کو فریب سے زہر کھلا کر یا گلے میں کپڑے کا پھندا ڈال کر مار ڈالتے تھے اور ان کا مال و متاع لے کر فرار ہو جاتے تھے۔ نیز یہ گروہ بھکاریوں کو بھی قتل کرنے سے گریز نہ کرتا تھا۔ ان کے قتل و دولت کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کے لڑکوں کو اغوا کر کے فروخت کرنے کی وجہ سے ہوتے تھے۔ یہ ٹھگ، میکھ پونیا کہلاتے تھے جو ہندی میں صحیح میکھ پھندیاں ہے میکھ کیل اور پھندیاں پھندے کو کہتے ہیں۔ چونکہ باز کے مترادف ہے تسمہ باز فیتہ کے ساتھ شعبدہ بازی کرتے ہیں جس سے بھولے بھالے اور دیہاتی قسم کے لوگ ان کے پھندے میں پھنس جاتے ہیں۔ دہلی جامع مسجد کے مدرسہ والے دروازے کی پشت کی سڑک پر اب بھی جرائم پیشہ لوگ فوری ضرورت پر اسی طرح لوگوں کی جیبیں خالی کرا لیتے ہیں۔ ۱۸۰۳ء میں کانپور کے برطانوی رجمنٹ میں ایک کرگیٹ سپاہی نے تین آدمیوں کو تسمہ بازی کا طریقہ سکھایا تھا یہ آدمی یورپین تسمہ باز ٹھگوں کے لیڈر بن گئے، ریکارڈ نتیجہ گورنمنٹ صوبہ متحدہ 'مرتبہ مسٹر آر منٹگمری' ... تسمہ بازی کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ فیتہ دوہرا کر کے لپیٹ لیا جاتا تھا اور اس میں اس بات کو کمال سمجھا جاتا تھا کہ لپٹے ہوئے فیتہ میں سلاخ اس طرح پڑے کہ اگر اس کو کھولا جائے تو سلاخ فیتہ کے بیچ میں آجائے اور ایک سرا چھوڑے بغیر سلاخ نہ نکلے۔ یہ تسمہ باز ٹھگ منگھ پونیا کی طرح ہوتے تھے۔ ان کے ٹھگنے کا ایک ہی طریقہ نہ ہوتا تھا بلکہ کافی نئے نئے طریقوں سے وہ لوگوں کو ٹھگتے تھے۔ جنرل ہردی نے منگھ پونیا کے ٹھگوں کے سات طریقے ریکارڈ میں لکھے ہیں، بحوالہ مختصر ریکارڈ جرائم ۱۸۶۷ء، حصہ ۹، ص ۱۲۱، ۱۲۶، جو راجپوتانہ میں رائج تھے۔ زہر دینے والوں کی دو یا تین اشخاص کی جماعت آٹھ یا دس مسافروں کو کامیابی کے ساتھ

زہر دے کر ختم کر دیتی تھی۔ یہ زہر دینے والے ان مسافروں کے ساتھ کچھ دن سفر کرتے، تعلقات قائم کرتے، بھائی چارگی ظاہر کرتے اور کسی خاندانی خوشی کے موقع پر ان کو دعوت میں مدعو کرنے کا ذکر کرتے اور جب اعتقاد قائم ہو جاتا تو ان کے لئے بازار سے آٹا لا کر زہر کی آمیزش کر کے کھلا دیتے تھے جو دھتورے کے بیجوں کا انتہائی مہلک اور زود اثر زہر ہوتا تھا۔ بسا اوقات یہ ذلیل حرکات ان ٹھگوں کی بوڑھی عورتیں اور سن رسیدہ مرد انجام دیتے تھے۔ یہ مجرمانہ پیشہ کسی خاص فرد کے لئے مخصوص نہ تھا بلکہ کم و بیش ہزاروں افراد اس پیشہ کو اختیار کئے ہوئے تھے، اور ملک کے کونے کونے سے نئے نئے ماہر پیدا ہوتے تھے۔ چنانچہ ۱۸۷۷ء میں آگرہ کے کہاروں کے گروہ نے قتل اور ٹھگی کا پیشہ اختیار کیا۔ اس گروہ میں عادی اور اتفاقی سب ہی طرح کے مجرم ہوتے تھے اور کھانا پکانا جانتے تھے اور سڑکوں کے کنارے سونا ان کا شیوہ تھا جس سے ان کو اپنے منصوبوں کی کامیابی میں کافی امداد ملتی تھی۔ ان کی چھوٹی بڑی پارٹیاں ہوتی تھیں جو ایک دوسرے سے علیحدہ گشت لگاتی تھیں۔ ان کے گشت میں باہمی مڈھ بھیڑ نہیں ہوتی تھی۔ وہ گرفتار بھی کر لئے جاتے تھے مگر زیادہ اتفاقی مجرم کی حیثیت سے، جس سے ان کو اجتماعی شکل میں کوئی نقصان نہ ہوتا تھا اور نہ لمبی سزا ملتی تھی۔ اکثر قتلوں کے مہموں کے دوران میں ان کے دو یا دو سے زیادہ گروہ مل جاتے تھے۔ اس گروہ کے ہر ممبر کو اس کی حیثیت کے مطابق مال ٹھگی غنیمت میں سے حصہ ملتا تھا، یا جتنا جو شخص قتل میں زیادہ شغف دکھاتا اتنا ہی وہ زیادہ حصہ کا حقدار ہوتا تھا۔

۱۸۲۹ء میں یہ جرائم بیباکانہ طور پر جاری تھے اور ان کے انسداد کی طرف کسی نے کوئی توجہ نہ دی تھی لیکن کرنل سلیمن نربدا ساگر کے علاقہ میں مامور ہوئے اور ۱۸۰۷ء میں جبل پور کی سڑک پر ۱۷ خزانہ بردار اور ۱۸۱۴ء میں ضلع دموہ سے دس میل کے فاصلے پر ہٹہ کو جانے والی سڑک پر نجا گاؤں کے آدھ میل ایک نالے کے پاس سات آدمی قتل ہو چکے تو ان سے اور دیگر قتلوں سے متاثر ہو کر انہوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو ان تمام جرائم کی رپورٹ بھیجی جس کے بعد ۱۸۲۹ء میں مسٹر ایف۔ سی سمتھ نربدا ساگر کے علاقہ میں اختیارات خصوصی کے ساتھ ایجنٹ گورنر جنرل مقرر کر کے بھیجے گئے۔ آپ کے اسسٹنٹ کے لئے کرنل سلیمن کا تقرر ہوا جو ۱۸۳۵ء میں سپرنٹنڈنٹ محکمہ انسداد اور ۱۸۳۸ء میں کمشنر ٹھگی اور ڈاکہ کے عہدے پر فائز ہوئے۔

اِنسدادِ ٹھگی:

یہ دور ٹھگوں کے جرموں کی تحقیقات کا کہلاتا ہے جس میں ٹھگوں کے گروپ کے ممبر اور ممبران کے رشتہ دار اور دوستوں کے ذریعہ حالات معلوم کر کے انکو قلع قمع کرنے کی کوشش کی گئی اور اس شیطنت کا خاتمہ کرنے کے لئے مخصوص قوانین ۱۸۲۸ء کا ایکٹ ۳۰، ۱۸۲۸ء کا ایکٹ ۱۸، ۱۹، ۱۸۳۹ء کا ایکٹ ۱۸، ۱۸۴۳ء کا ایکٹ ۱۸، ۲۴، ۱۸۴۲ء کا ایکٹ ۱۴، ۱۸۴۷ء کا ایکٹ ۱۰، ۱۸۴۸ء کا ایکٹ ۱۱۰۳ کا نفاذ کیا گیا، اور حیدرآباد، میسور، اندور، لکھنؤ، گوالیار میں ان کے مقدمات کی شنوائی کے لئے علیحدہ علیحدہ عدالتیں قائم ہوئیں جہاں یہ اجازت تھی کہ کوئی بھی شہادت دستاویزی ہو زبانی قلمبند کی جائے، خواہ وہ کتنی ہی حیثیت کی کیوں نہ ہو۔ ان عدالتی بینچوں کے صدر اور پیروکار ہوشیار انگریز ہوتے تھے جو اعزازی طور پر کام کرتے تھے۔ چنانچہ ان کی کوششوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ ۱۸۲۶ء اور ۱۸۳۵ء میں ٹھگی کے جرم میں ۱۵۶۲ قیدیوں پر مقدمات چلائے گئے جس میں سے ۱۴۰۴ پھانسی پر چڑھے یا عمر قید کے سزا یافتہ ہوئے۔ کچھ ٹھگوں نے اقبال کیا کہ انہوں نے دو سو سے زائد قتل کئے ہیں اور ایک ٹھگ نے بتایا کہ اس نے ۷۱۹ اشخاص کو قتل کیا۔ جو ٹھگ وعدہ معاف تھے اور جن کی جان بخشی کی گئی ان کو جبل پور کی سپیشل جیل میں نظر بند کیا گیا جہاں ان کی مع خاندان کے نگرانی کی جاتی تھی۔ انہیں دری۔ خیمہ۔ قالین کے کارخانے میں مشقت کے لئے لگایا گیا تھا۔ یہ کارخانہ کرنل سلیمان اور کپتان چارلس براؤن نے ۱۸۳۸ء میں بنایا تھا اور ان ہی کے ہاتھوں اس کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ ۱۹۰۴ء میں سپرنٹنڈنٹ ٹھگی اور ڈاکہ کا عہدہ توڑ دیا گیا تھا اس لئے کہ اسوقت ٹھگ بہت کم رہ گئے تھے اور ان کا منظمانہ زور ختم ہو گیا تھا۔

غدر ۱۸۵۷ء

غدر کی ابتدائی وجہ بندوقوں کے وہ کارتوس تھے جن کے بارے میں سپاہیوں کا خیال تھا کہ ان پر سور اور گائے کی چربی لگی ہوئی ہے اور وہ ان کو دانتوں سے کاٹنے پڑتے ہیں۔ چنانچہ کپتان رائٹ نے اپنی رپورٹ مورخہ ۲۲ جنوری ۱۸۵۷ء جو اپنے کمانڈنگ آفیسر میجر مائن کو بھیجی ہے اس میں لکھتا ہے۔

یہاں دمدمے کلکتہ سے تین کوس پر جہاں توپ خانہ رہتا تھا میں جو انفلڈ ٹیفل بغرض تعلیم دیا گیا تھا اس سے ہندوستانی سپاہی بہت گھبرا گئے ہیں اور کسی نے یہ افواہ بھی اڑا دی ہے کہ کارتوں میں گائے اور سور کی چربی لگی ہوتی ہے۔ چنانچہ اس افواہ کی بنا پر ہر ایک ہندوستانی سپاہی پریشان ہے اور یہ کہتا ہے کہ ہم جب اپنے گھر جائیں گے تو ہمارے ساتھ کوئی کھائے پیئے گا نہیں۔ میں نے ان کو سمجھایا کہ بھیڑ کی

چربی اور موم اس میں لگا ہوا ہے، لیکن وہ مطمئن نہ ہوئے۔ یہ افواہ یا واقعہ آگ کی طرح پھیل گیا۔ دمدمے والوں کیساتھ بہرام پور والی انیسویں پلٹن بھی ہوگئی، اور وہ یہاں تک چراغ پا ہوئی کہ رات پریڈ پر جا کر جمع ہوگئی۔ کرنل مچل نے ان کو بتایا کہ یہ صحیح نہیں ہے کہ ان کارتوسوں میں گائے اور سور کی چربی لگی ہوئی ہے۔

افسر پر ہتھیار چلانے اور سازش کی سزا:

چنانچہ بارکپور میں چونتیسویں پلٹن کے ایک سپاہی نے اپنے افسر پر ہتھیار سے وار کیا اور جو سپاہی وہاں موجود تھے انہوں نے اس کی گرفتاری سے اغماض کیا۔ اس پر گورنر جنرل نے سات کمپنیوں اور اس پلٹن کو موقوف کر دیا اور ایک سپاہی اور جمعدار کو پھانسی کا حکم دیا اور ۱۷ویں پلٹن کے دو سپاہیوں کو سازش کے جرم میں کالے پانی بھیجدیا۔

کارتوس نہ لینے پر سزا۔

اس سختی کا نتیجہ بد سے بدتر نکلا چنانچہ ۵ مئی کو جب وقت قواعد کے لئے کارتوس تقسیم ہوئے تو تیسرے رسالہ کے ۸۵ سواروں نے ان کے لینے سے بالکل انکار کیا، جن کو ۹ مئی کو کورٹ مارشل میں چھ برس سے دس برس تک کی سزا دی گئی اور میرٹھ جیل بھیجدیا گیا۔

اس منتقمانہ اور انسانیت سوز نظارہ کا فوٹو ایک انگریز مؤرخ نے حسب ذیل الفاظ میں کھینچا ہے:

بندوقوں اور سنگینوں کے پہرہ میں پچاسی جوانوں کو ان کے اپنے فوجی لباس میں سپاہیوں کی حیثیت میں فوجی عدالت کے سامنے پیش کیا گیا اور سزا کو بلند آواز سے سنایا گیا جس کا مقصد سپاہیوں کو بدکار مجرموں کی فہرست میں داخل کرنا تھا۔ فوجی نشانات ان سے چھین لئے گئے اور وردیاں ان کی پشت کی طرف پھاڑ دی گئیں۔ پھر لوہار، زنجیریں اور اوزار لے کر آگے بڑھے اور آناً فاناً میں وہ پچاسی جوان اپنے ساتھیوں کے اس عظیم الشان مجمع کے سامنے انتہائی بے عزتی کی تمام روشن اور ظاہر علامات کے ساتھ یعنی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہنے ہوئے نظر آئے۔ یہ نہایت دردناک اور ذلت آفریں نظارہ تھا، جس سے سپاہی بھی متاثر ہوئے، بالخصوص جب انہوں نے اپنے بدقسمت ساتھیوں کی ناگفتہ بہ حالت اور مایوسانہ انداز کو دیکھا حالانکہ ان میں سے بعض اپنی پلٹن میں نہایت ہر دلعزیز تھے اور انہوں نے متعدد دفعہ اپنے آپ کو خطرے میں ڈال کر برٹش حکومت کی ترقی اور وفاداری کا ثبوت بھی دیا تھا۔ قیدیوں نے ہاتھ اٹھا کر باآواز بلند جرنیل سے گڑگڑا کر رحم کی درخواست کی کہ ان کو اس شدید مصیبت و ہلاکت سے بچا لیا جائے۔ پھر یہ دیکھ کر کہ اس طریقہ سے فائدہ مرتب نہ ہوسکا وہ اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کی بے عزتی کو خاموشی سے برداشت کرنے پر انہیں شرمندہ کیا اور غیرت دلائی۔ اسوقت ایک بھی سپاہی اس میدان میں ایسا موجود نہ تھا جس نے اپنے سینے میں اس واقعہ سے نفرت اور رنج کے جذبات اٹھتے ہوئے محسوس نہ کئے ہوں، لیکن بھرا ہوا میدان توپوں اور بندوقوں اور سواروں کے چمکتے ہوئے خنجروں کی موجودگی میں حملہ کرنے کا خیال بھی پیدا نہ ہوسکتا تھا۔ چنانچہ قیدیوں کو ان کوٹھڑیوں میں لے گئے جن پر پہرہ دینے کے لئے انہیں کے ساتھیوں کو متعین کیا گیا۔ یہ بے عزتی ان کے رشتہ دار اور ساتھی برداشت نہ کر سکے۔ انہوں نے ۱۰ مئی اتوار کو شام کے وقت بلوہ کر کے لین میں آگ لگا دی اور راہ گیروں کو قتل کرنا شروع کر دیا اور میرٹھ کے جیل خانے میں جا کر اپنے ساتھیوں اور دوسرے قیدیوں کو رہا کر کے لے آئے، اور شہر میں تمام سرکاری انتظامات کو تہ و بالا کیا۔ یہاں سے فراغت پائی تو دہلی کا راستہ لیا۔ وہاں بھی انگریزوں کو نہ بخشا۔ جہاں کوئی میم اور اس کا بچہ نظر آتا اس کو قتل کرتے اور بہادر شاہ کی بادشاہت کا اعلان کرتے

بغاوت:

غرض یہ بغاوت جب ممالک اودھ میں خوب پھیل گئی اور اس کے شعلے صوبہ بہار اور ہند ہیلکنڈ بھی جا پہنچے اور تار ٹوٹنے ریلیں لٹنے، راستے بند ہونے کے واقعات رونما ہونے لگے تو ۸ جون کو انگریزی فوج نے دہلی پر حملہ کیا اور ۱۹ ستمبر ۱۸۵۷ء کو دہلی کے قلعہ میں داخل ہوگئیں۔

ظفر شاہ کی گرفتاری:

جب قلعہ دہلی کو چاروں طرف سے انگریزوں نے گھیر لیا تو ہڈسن نے فوجی افسروں پر مشتمل ایک وفد بادشاہ کے پاس بھیجا جس نے زبانی پیغام دیا کہ بادشاہ کو اب انگریزوں کا مطیع ہونا چاہیئے۔ بادشاہ نے فیصلہ کیا کہ ہڈسن اور اس کے ساتھی اپنی زبان سے وعدہ کریں کہ بادشاہ کو کوئی گزند نہ پہنچائی جائے گی اور اس کی زندگی خطرے میں نہ ہو تو وہ آپ کو انگریزی فوج کے حوالے کرنے کے لئے تیار ہے۔ ہڈسن نے جواب دیا کہ اعلیحضرت اور زینت محل اور زینت محل کے لڑکے کی جانوں کی حفاظت کی جائے گی، اور کسی قسم کا خطرہ نہیں ہے۔ چنانچہ بادشاہ کے سامنے ہڈسن کھڑا ہوگیا اور بادشاہ سے تلوار مانگی، چنانچہ اسوقت ہڈسن کے جلالی الفاظ کا ذکر، جان ولیم، کے ایف آر۔ ایس مصنف تاریخ غدر دہلی کرتا ہے بحوالہ تاریخ جرم و سزا جلد اوّل۔ ہڈسن نے سلطنت مغلیہ سے ہتھیار لے کر ہمیشہ کے لئے ہندوستان میں تیموری خاندان کی سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ تلوار اور پیش قبض اس نے اپنے اردلی کو دی

اور یہ اعلان کیا کہ اگر کسی نے شاہی قیدی کو یعنی بادشاہ وغیرہ انگریزوں کے قبضہ سے چھڑانے کی کوشش کی تو بوڑھے بادشاہ کو کتے کی طرح گولی مار دی جائے گی۔

شہزادوں کا قتل

اور لاشوں کا سڑانا

ہڈسن نے بادشاہ کو سانڈرس، جو دہلی سول افسر تھا، کے حوالہ کیا اور خود کشمیری دروازہ کے باہر جنرل کے پاس شہزادوں کو گرفتار کرنے کے لیے حکم لینے گیا ہمایوں کے مقبرہ پر پہنچ کر اس نے شہزادوں کی پالکیاں اور دوسرے قیدی باہر نکلوائے۔ شہزادوں کی سواری آگے آگے روانہ ہوئی، مقبرہ کے لوگوں نے سڑک پر شہزادوں کو رہا کرانے کی کوشش کی تو ہڈسن نے حکم دیا کہ شہزادوں کو فوراً پالکی سے باہر نکالو۔ ان کو باہر نکالا گیا اور برہنہ کرکے گولی ماردی گئی۔ مجمع پر بھی گولی چلائی گئی اور قیامت برپا ہوگئی۔ مسٹر کے انگریز مورخ اس واقعہ پر حسب ذیل الفاظ میں تبصرہ کرتا ہے۔

شہزادوں کا قتل کرنا کسی طرح بھی جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ شہزادے اور مجمع کسی طرح بھی ان کے قبضہ سے باہر نہیں جا سکتا تھا مجمع تنہا تھا اور کوئی ظاہری وجہ نہیں معلوم ہوتی تھی کہ شہزادوں کو قتل کرنے کے لیے کیا فوری ضرورت پیش آئی۔ ہڈسن نے جو کہا تھا کہ میں خاندانِ دہلی کے بچے بچے کو کتے کی موت ماروں گا اور انگریز عورتوں اور بچوں کے خون کا بدلہ لوں گا، وہ اس نے حرف بہ حرف پورا کیا۔ شہزادوں کو برہنہ کرنا اور قتل کرنا ایک ایسا فعل تھا جس سے میں اور کوئی انگریز ایک شریف آدمی کا فعل نہیں کہہ سکتے۔ ان کے علاوہ اور بیسیوں بے گناہ مارے گئے جن کے متعلق کوئی ثبوت نہ تھا کہ واقعی انہوں نے بغاوت کی ہے۔ سنہ شہزادوں کا الزام بغاوت قانونی طور پر مسلم ہوا، اس لئے ہڈسن کی یہ حرکت واقعی قابل گرفت ہے۔ اس زمانہ میں جس قدر سخت غلطیاں کی گئیں، ان سے بیسیوں بے گناہ مارے گئے۔ یہ ایک معمولی بات نہیں ہے۔ اگست کی آخری تاریخ کو ہڈسن لکھتا ہے کہ اگر میں محل میں پہنچ جاؤں تو خاندانِ تیموریہ کو پانچ منٹ میں ختم کردوں۔ چنانچہ ۲۲ ستمبر کو وہ لکھتا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ میں نے چوبیس گھنٹے کے اندر خاندانِ شاہی کے ممتاز لوگوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا اور اب میرا مقصد پورا ہوا۔ میں ظالم نہیں ہوں لیکن مجھے خوشی ہے کہ میں نے ان ظالم بدمعاشوں کو اپنے پاؤں سے روندا۔ اس نے یہ بھی کہا اگر مجھے خوف نہ ہوتا تو بادشاہ کو بھی زندہ گرفتار کرنے کے بجائے قتل کر دیتا اور اس کا سر لے کر بازار میں گھومتا۔ چنانچہ شہزادوں وغیرہ کی لاشیں چاندنی چوک کی کوتوالی کے سامنے لاکر پھینک دیں اور لوگوں کو دیکھنے کے لئے ان کو کھلا چھوڑ دیا۔ جب وہ سڑنے لگیں اور صحت پر برا اثر پڑنے کا اندیشہ ہوا تو دفنا دی گئیں۔

بقیہ: ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی

سب بھاگ گئے۔ حضرت گنگوہیؒ نے توپخانہ کھینچ کر حضرت حاجی صاحبؒ کی مسجد کے سامنے لاکر ڈال دیا۔ اس سے ان لوگوں میں ان حضرات کی فراست ذکاوت فنون حربیہ کی مہارت معاملہ فہمی اور ہر قسم کی قابلیت کا سکہ بیٹھ گیا۔ شاملی اس زمانے میں مرکزی مقام تھا۔ ضلع سہارنپور سے متعلق تھا۔ وہاں تحصیل بھی تھی کچھ فوجی طاقت بھی وہاں رہتی تھی۔ قرار پایا کہ اس پر حملہ کیا جائے۔ چنانچہ چڑھائی ہوئی اور قبضہ کر لیا گیا۔ جو طاقت پولیس اور فوج کی وہاں تھی وہ مغلوب ہو گئی۔ حضرت حافظ ضامن صاحبؒ اسی ہنگامہ میں شہید ہو گئے۔ حضرت حافظ ضامن صاحبؒ کا شہید ہونا تھا کہ معاملہ بالکل ٹھنڈا پڑ گیا۔ ان کی شہادت سے پہلے روزانہ خبر آتی تھی کہ آج فلاں مقام پر ہندوستانیوں کا قبضہ ہوا، مگر حافظ صاحبؒ کی شہادت کے بعد پہلے پہل خبر آئی کہ دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا اور یہی حال ہر جگہ کی خبروں کا تھا۔ اس سے پہلے گورے فوجی چھپتے پھرتے تھے ایک ایک سپاہی گوروں کی جماعتوں کو بھگائے پھرتا تھا، مگر بعد میں معاملہ برعکس ہو گیا۔ پہلے کسی کھیت میں گورا چھپا ہوا تھا تو کاشتکار عورت نے کھرپے سے اسے قتل کر ڈالا مگر بعد میں معاملات الٹے ہو گئے۔

حضرت شیخ الہندؒ فرماتے تھے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تمام معاملہ جوش و خروش۔ جنگ و جدال کا حضرت حافظ محمد ضامن صاحبؒ کی شہادت کے لئے کیا گیا تھا۔ بہرحال حافظ صاحب کی شہادت اور دہلی کی سقوط کی خبر سے لوگوں کی ہمتیں بالکل پست ہو گئیں، اور سب اپنے اپنے وطنوں کو واپس آ گئے۔

ماخوذ علمائے ہند کا شاندار ماضی

(جلد چہارم)

از مولانا سید محمد میاں صاحبؒ

ہر قسم کی اصلاحی تاریخی و دینی کتابوں کی بابت معاینہ خریداری کے لیے تشریف لائیں

نیز

سامان سٹیشنری کھیلوں کا سامان، سکول و کالج کی درسی کتابوں کی تھوک و پرچون خریداری کے لئے ہمیں خدمت کا موقع دیں۔

مکتبہ معین العلم

ہارون آباد، ضلع بہاولنگر

طلبہ کی سرگرمیاں

محمد ادریس

صوبائی ناظم عمومی محمد الیاس تمنا کا دورہ سندھ

جمعیۃ طلبہ اسلام صوبہ سندھ کے ناظم عمومی اور کراچی یونیورسٹی کے طالبعلم جناب محمد الیاس تمنا نے گذشتہ دنوں صوبہ سندھ کا دورہ کیا۔ اس سلسلے میں ضلع سکھر و شکارپور کے دورہ کی مکمل رپورٹ موصول ہوئی ہے۔

جناب محمد الیاس تمنا اس دورہ کے دوران سکھر، شکارپور، سومرانی شریف گھوٹکی، پنو عاقل، میرپور، مارتھیلو گئے جہاں انہوں نے تنظیمی کام کا جائزہ لیا ریکارڈ چیک کئے اور طلبہ کو کام سے متعلق ہدایات دیں جبکہ سکھر شہر میں طلبہ کا عمومی اجتماع بھی ہوا، جس میں پروفیسر ابو محمد استاد وزیر محمد، ظہیر احمد میمن، فتح محمد قاسمی حافظ محی الدین چاچڑ اور صوبائی ناظم عمومی محمد الیاس تمنا نے خطاب کیا۔ محفل سوال و جواب بھی منعقد ہوئی اور سکھر شہر کی کارکردگی پر اطمینان کا اظہار کیا۔

قائد کے نام تعزیتی مراسلے

جمعیۃ طلبہ اسلام پاکستان کے مرکزی قائد جناب جاوید ابراہیم پراچہ کے والد محترم جناب حاجی محمد ابراہیم پراچہ کی وفات پر طلبہ کی طرف سے جناب جاوید ابراہیم پراچہ کے نام تعزیتی مراسلے موصول ہو رہے ہیں۔ ان میں جمعیۃ طلبہ اسلام تحصیل مری میں تعزیتی اجلاس میں تمام طلبہ کی طرف سے اظہار افسوس کیا گیا ہے۔ ضلع قلات جمعیۃ طلبہ اسلام کے اجلاس میں ایک تعزیتی قرارداد کے ذریعے پراچہ صاحب سے اظہار تعزیت کیا گیا ہے جبکہ شیخ محمد یحیٰی مجھی بنڈہ ضلع حبیب آباد، جمعیۃ طلبہ اسلام مستونگ، گورنمنٹ کالج آف ٹیکنالوجی لاہور کی مجلس علوم اسلامیہ کی طرف سے بھی تعزیتی پیغام موصول ہوئے ہیں جن میں انہوں نے جناب جاوید ابراہیم پراچہ کے والد گرامی کی وفات پر اظہار تعزیت کیا ہے اور مرحوم کے لئے دعائے مغفرت کی ہے۔

عمل کے میدان میں

- جمعیۃ طلبہ اسلام ڈیرہ مراد جمالی کا ایک اجلاس ہوا جس میں محمد سلیمان اٹھرد نظام الدین پانیزئی اور مولانا اللہ داد خیر خواہ نے شرکت کی۔ تحریک نظام مصطفٰے کے دوران شہید ہونے والے خدا بخش شہید کو خراج عقیدت پیش کیا گیا اور ڈیرہ جمالی کا

انتخاب

ہوا، جس میں:

غلام حیدر صدر، فیض محمد سرپرہ ناظم عمومی اور محمد عالم ناظم منتخب ہوئے۔

- گذشتہ روز چھادریاں کا ایک اجلاس ہوا اور سال نو کے لئے انتخاب عمل میں لایا گیا:

صدر : انور علی ندیم
نائب صدر : راجہ محمد اعجاز
ناظم عمومی : مہر عمر دراز انجم
ناظم : محمد اشرف انجم
" اطلاعات : عبدالرزاق آثم
" مالیات : عبدالخالق ندیم

- پچھلے دنوں جمعیۃ طلبہ اسلام چھادریاں کا ہنگامی اجلاس جناب صوفی اللہ بخش کی صدارت میں ہوا جس میں طلبہ کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔ مقامی صدر اور نائب صدر نے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا، اس کے بعد صوبہ پنجاب کے صدر جناب ظہیر میر نے خطاب کیا اور ساتھیوں کو کنونشن کے لئے بھرپور تیاریاں کرنے کو کہا۔
- چند روز قبل جمعیۃ طلبہ اسلام جھنگ شہر کے زیر انتظام سیرت النبی پر جلسہ ہوا، جس سے قاری محمد حنیف ملتانی، جناب محمد اقبال شیروانی۔ محمد ابوبکر حمزہ اور حفیظ خان نے خطاب کیا۔
- جمعیۃ طلبہ اسلام ہنگو (سرحد)

کا انتخاب

صدر : محمد حنیف
نائب صدر : نصیب خان
ناظم عمومی : سراج الدین
ناظم : محمد داؤد شاہ
" اطلاعات : نیاز محمد قریشی
" مالیات : خلیل الرحمٰن

• جمعیۃ طلبہ اسلام ضلع قلات کے کارکنوں کے اجلاس میں تمام طلبہ سے اپیل کی گئی کہ وہ لاہور میں ہونے والے مرکزی کنونشن میں کثیر تعداد میں شرکت کریں اور اسے کامیاب بنانے کے لئے دن رات محنت کریں۔ علاوہ ازیں کنونشن کی تیاریوں کا جائزہ لیا گیا۔

• جمعیۃ طلبہ اسلام پاکستان مجھی بنڈہ (سندھ) میں جلسۂ سیرت النبی منعقد ہوا جس کی صدارت مولانا عمر الدین کھوسہ نے کی جلسہ سے محمد الیاس تمنا محمد اسلم وسیر۔ غلام علی قریشی الحاج تاج محمد مدنی، مولانا غلام قادر بھنوار اور شاعر جناب عبداللطیف انصاری نے بھی خطاب کیا۔

اسلامی جمعیۃ طلبہ سے استعفیٰ

گذشتہ دنوں اسلامی جمعیۃ طلبہ کے ناظم جناب راکھین چانڈیو نے اسلامی جمعیۃ طلبہ سے مستعفی ہو کر جمعیۃ طلبہ اسلام میں شمولیت کا اعلان کیا ہے۔ اس پر جناب ارشد نو ناری، عبدالغنی انصاری ناظم مالیات جمعیۃ طلبہ اسلام سندھ شبیر احمد ڈول ناظم جمعیۃ طلبہ اسلام ٹھٹھہ اور جناب خداوند بخش کنوینر جمعیۃ طلبہ اسلام ٹھٹھہ کالج نے انہیں مبارکباد دی ہے۔

کِفَایتُ المُفتی

عالمِ اسلام کے ممتاز فقیہہ، مفکر اسلام، مجاہد ملت مفتی اعظم پاک وہند حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ قدس سرہٗ کے اردو فتاویٰ کا مجموعہ "کفایت المفتی" مکمل ۹ جلدوں میں پاکستان میں پہلی مرتبہ طبع ہو چکا ہے

کل صفحات پونے چار ہزار۔ کاغذ سفید گلز۔ طباعت عکسی۔ جلد خوبصورت پلاسٹک کور۔ قیمت ۔/۳۶۰ روپے

حُقوقُ العِباد

تالیف۔ الحاج جناب اوصاف علی صاحب ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج

اس لاثانی کتاب میں مخلوق کے مختلف طبقات کے باہمی حقوق و فرائض پر قرآن و حدیث اور عقل و نقل کی روشنی میں بحث کی گئی ہے اور ان کی اہمیت و ضرورت کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ زبان شستہ و سنجیدہ اور اسلوب ادا نہایت مؤثر و دلکش ہے۔

کل صفحات ۴۶۴۔ کاغذ سفید، طباعت و جلد بندی بہترین قیمت ۔/۳۰ روپے

ناشر۔ مکتبۂ امدادیہ ملتان پاکستان

بقیہ ضلع رحیم خاں کے کاشتکاروں کے مسائل

لئے چند معروضات مختصراً پیش کی ہیں؛ اور میں ضلع بھر کے عوام کی طرف سے حکومت سے یہ مطالبہ کروں گا کہ:

- نہری پانی کی مقدار بڑھا کر دوگنی کر دی جائے،
- ٹیوب ویلوں کو فوری طور پر بجلی فراہم کی جائے۔
- دیہاتوں میں بجلی پہنچائی جائے۔
- گنے کے کاشتکاروں کے لئے تجویز کردہ ریٹوں کا مل مالکان کو پابند کیا جائے۔
- مزید ملیں لگائی جائیں۔
- مزدوروں اور کسانوں کو نئی ملوں میں حصہ دار بنایا جائے۔
- کچی سڑکوں کو پختہ کیا جائے۔
- ملوں میں مقامی لوگوں کو زیادہ نمائندگی دی جائے۔
- سیم و تھور کے خاتمہ کے لئے فوری توجہ دی جائے۔
- خانپور اور دیگر اہم شہروں کو سوئی گیس دیا جائے۔
- رحیم یار خان میں میڈیکل کالج بنایا جائے۔
- جرائم کی روک تھام کے لئے عملی اقدامات کئے جائیں۔

ساتھیوں کی رفاقت

ربانی صاحب نے آخر میں کہا کہ میں نے اور میرے دوستوں نے عوامی مسائل حل کرنے کے لئے اپنے اپنے طور پر بھی بڑی کوششیں کی ہیں۔ اب یہ ساتھی مقامی طور پر مسائل حل کرانے کے لئے سرگرم عمل ہیں خصوصاً چودھری غلام مصطفےٰ صاحب چیئرمین چیئرمین۔ قاری حماد اللہ شفیق۔ حاجی مطیع الرحمٰن درخواستی۔ مولانا رشید احمد۔ مولانا عبدالصبور ڈاہر۔ صاحبزادہ میاں ریاض احمد دینپوری مولانا بشیر احمد لیاقت پور۔ خالد شہزاد ایڈووکیٹ رانا انوار الحق باری۔ حافظ منور حسین ضیاء۔ صوفی غلام رسول۔ مولانا بشیر اختر۔ شبیر احمد عثمانی اور دیگر بہت سے ساتھی ہیں۔ میں ان کے کردار کی تعریف